نقوشِ حیات

از

غلام حسنین باقری ناگپوری

تکیہ دیوان شاہ، مومن پورہ ناگپور - 440018

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ادارۂ امام مہدیؑ ایجوکیشن سوسائٹی، ناگپور کی دوسری پیشکش

نام کتاب : نقوشِ حیات

مصنف : غلام حسنین باقری ناگپوری

ناشر : امام مہدیؑ ایجوکیشن سوسائٹی، مومن پورہ ناگپور۔١٨

طباعت : ثمرین پرنٹرس، مومن پورہ۔ ناگپور

کمپوزنگ : ناظم الدین قیصر، سوپر کمپرنٹس، مومن پورہ ناگپور

قیمت : ١٠٠؍روپے

صفحات : ١٤٤

تعداد : ٥٠٠

سال اشاعت : ٢٠٠٣ء (پہلا ایڈیشن)

:: ملنے کا پتہ ::

١۔ جناب مولانا غلام حسنین باقری صاحب، تکیہ دیوان شاہ، مومن پورہ ناگپور ١٨

٢۔ احباب پبلیشرز، اقبال منزل، مقبرۂ عالیہ، گولہ گنج، لکھنؤ۔١٨

٣۔ حوزۂ علمیہ رسول اعظم، حسین آباد، کامٹی۔ ضلع: ناگپور

٤۔ انوار التبلیغات مصطفوی دار المطالعہ، حسین آباد، جمال پورہ۔ کامٹی ضلع: ناگپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

28-2-05

اللھم صل علی محمد و آل محمد

فہرست

۱۔ اپنی بات ۷
۲۔ تقریظ ۸
۳۔ عرضِ مصنف ۱۰
۴۔ سیرت رحمۃ للعالمین ۱۲
۵۔ کامیاب زندگی ۱۴
۶۔ ناصر رسولؐ حضرت ابو طالبؑ ۱۶
۷۔ دور حاضر کے سماجی و سیاسی مشکلات کا حل ۲۱
۸۔ حضرت علیؑ کی ازدواجی زندگی ۳۰
۹۔ حضرت علیؑ اور عدالت ۳۴
۱۰۔ حضرت علی علیہ السلام کی امتیازی زندگی ۳۶
۱۱۔ فاطمہ زہرا خواتین کے لئے نمونہ عمل ہیں ۴۰
۱۲۔ مثالی سیرت......امام حسنؑ ۴۶
۱۳۔ عظمتِ امام حسین علیہ السلام ۵۰
۱۴۔ امام حسینؑ کے باوفا اصحاب ۵۲
۱۵۔ حضرت امام زین العابدینؑ اور عبادت ۵۴
۱۶۔ امام محمد باقرؑ......مشعلِ علم وتقویٰ ۵۸

۱۷۔ حضرت امام جعفر صادقؑ اور صداقت ۶۳
۱۸۔ دین سراپا حساب ۶۷
۱۹۔ حضرت امام علی رضاؑ..........نمونہ تقویٰ ۷۳
۲۰۔ حضرت امام محمد تقیؑ اور یحییٰ بن اکثم ۷۸
۲۱۔ حضرت امام علی نقیؑ......دسویں حجت حق ۸۴
۲۲۔ حفاظت قرآن اور امام حسن عسکریؑ ۸۶
۲۳۔ ذکرِ مہدی علیہ السلام..........قرآنی آیات کی روشنی میں ۹۰
۲۴۔ نہج البلاغہ ایک معرکۃ الآرا تصنیف ۹۵
۲۵۔ مقاصد حج وقربانی ۱۰۰
۲۶۔ تہذیب جدید میں اخلاق کا اثر ۱۰۳
۲۷۔ کامیابی کی کلید......عمل صالح ۱۰۸
۲۸۔ صحت مند معاشرہ ۱۱۲
۲۹۔ اسلام میں علم کی اہمیت ۱۱۹
۳۰۔ معاشرے میں دینی بیداری ۱۲۶
۳۱۔ انسانی عالمگیر معاشرہ ۱۳۱
۳۲۔ انصاف اور معاملات ۱۳۶

انتساب

میں اس کتاب

''نقوش حیات''

کو امیدِ انسانیت، منجی بشریت،

فرزند رسول، یوسف زہرا،

نور نگاہ مشکل کشا، گل نرجس و عسکری،

حضرت حجت بن العسکری عجل اللہ فرجہ الشریف

کے نام سے منسوب کرتا ہوں

جن کی

طولانی غیبت میں ہم اسی طرح فیضیاب ہو رہے ہیں

جیسے بدلیوں میں چھپے ہوئے سورج سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

غلام حسنین باقری ناگپور

بروز پیر یکم رجب ۱۴۲۳ھ

۹ ستمبر ۲۰۰۲ء

اپنی بات

ادارۂ امام مہدیؑ ایجوکیشن سوسائٹی ناگپور کی پہلی پیشکش کتابی شکل میں ''خدا کی حجت'' کے عنوان سے تھی جسے ۱۹۹۰ء میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں لیکن اب تیرہ سال کے بعد الحمدللہ دوسری پیشکش بھی حاضر خدمت کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں جس کا نام ''نقوشِ حیات'' ہے جسے برادر مکرم جناب مولانا غلام حسنین باقری صاحب نے تصنیف فرمایا ہے۔

ادارۂ امام مہدیؑ ایجوکیشن سوسائٹی موصوف کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہے نیز قارئین سے التماس ہے کہ اگر کتاب میں کوئی غلطی نظر آئے تو دامن عفو میں جگہ دیکر ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ازالہ کیا جاسکے۔

خالق کائنات سے دعا ہے کہ بحق ائمہ معصومین علیہم السلام ہماری اور مولانا موصوف کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

طالب دعا

عابد حسین عابدؔ

صدر امام مہدیؑ ایجوکیشن سوسائٹی، مومن پورہ ناگپور۔۱۸

یکم جنوری ۲۰۰۳ء

☆☆☆

عرض مصنف

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اخبارات وجرائد فوری اور وقتی اطلاع بہم پہنچانے میں ٹیلی ویژن کا کام کرتے ہیں ۔مگر کتاب ایک خاص ہی اہمیت کی حامل ہوتی ہے کتاب میں گرچہ مختلف مضامین ہوتے ہیں مگر یہ ایک مخصوص فرد کی تخلیق ہوتی ہے اور وہی درج شدہ خطاب کا ذمہ دار ہوتا ہے کتابی شکل میں یکجا مضامین ایک طویل عرصہ تک قابل استفادہ رہتے ہیں جسے بطور ثبوت بھی پیش کیا جاتا ہے۔اسی حقیقت کی طرف رسول اکرمؐ نے بھی اشارہ فرمایا تھا کہ ’’انی تارکٌ فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی ‘‘میں تمہارے درمیان میں دوگرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک کتاب خدا دوسری میری عترت اہلبیتؑ ۔اسلامی معاشرہ کے لئے ان دونوں ہی چیزوں کا ہونا ضروری ہے کتاب کو عملی زندگی میں پیش کرنے کے لئے کسی ذات کی ضرورت ہوتی ہے وہی ذات کتاب کے مطابق جب عمل کرتی جاتی ہے تو سیرت کہلاتی ہے۔عملی میدان میں عام انسان بہت پیچھے ہے اس لئے اسکی سیرت قابل تاسی نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ عام مسلمانی معاشرہ پر بہت کم بولا اور لکھا گیا ہے۔اسلام اور مسلمان کے مابین جو یکسانیت ہونی چاہئے تھی وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم اسلام کے ماننے والے ہیں اسلام جو اصول پیش کرتا ہے اسے اپنانے پر ہی ہم اسلامی کہلائیں گے لیکن اگر اسلام کے اصول سے ہٹ کر لوگوں کے ذریعہ وجود میں آئے ہوئے قوانین پر عمل کیا جائے تو وہ سماجی قوانین پر عمل کرنا کہہ سکیں گے نہ کہ اسلامی قوانین پر۔اس باریک فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ ہمارا ہر عمل اسلامی عمل قرار پاسکے۔ظاہری بات ہے کہ اسلامی کردار

بنانے کے لئے اسلامی نمونوں (Islamic Ideals) کی ضرورت ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہلبیت علیہم السلام کی سیرت بھی مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل ہے انھیں حضرات کی سیرت کی روشنی میں معاشرتی مسائل کے حل پر اپنے محدود مطالعہ کی بنیاد پر کچھ خامہ فرسائی کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔یہی وہ نقوش حیات ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر خوشگوار معاشرہ کی بنیاد ڈالی جاسکتی ہے۔

صاحبان علم اور باخبر افراد سے گزارش ہے کہ اگر کسی مقام پر غلطی یا اشتباہ دیکھیں تو آگاہ فرمادیں تاکہ آئندہ ازالہ کیا جاسکے۔میری اس پہلی تصنیف ’’نقوشِ حیات‘‘ میں جن جن افراد نے مدد فرمائی ہے ان کے لئے خدا سے مزید توفیقات کی دعا کرتا ہوں اور اسے بارگاہ احدیت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے بس اتنا ہی لکھنا کافی سمجھتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

غلام حسنین باقری

یکم رجب ۱۴۲۳ھ روز ولادت امام محمد باقرؑ ۹ ستمبر ۲۰۰۲ء

☆☆☆

تقریظ

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا انصار علی ہندی صاحب دام شرفہ

مدیر حوزۂ علمیہ رسول اعظم کامٹی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

و من یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ و ھو فی الآخرۃ من الخاسرین
(آل عمران:۸۵)

اور جو اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین تلاش کریگا تو وہ دین اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ قیامت کے دن خسارہ والوں میں ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک نتیجہ خیز زندگی کا کفیل ہے اور ہر دور کے انسانوں کی مشکلات کے حل کی ضمانت لیتا ہے یہ اور بات ہے کہ انسان اس کی عظمت اور حقیقت کو نہیں سمجھ سکا ہے اور اس کے اصولوں کو فرسودہ قرار دے کر نا قابل عمل بنانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ مگر جب یہی انسان حالات زمانہ سے دوچار ہوتا ہے اور راہ چارہ وتدبیر مسدود ہو جاتی ہے تو مایوس دوراہے پر کھڑا ہو کر امید و رجاء کے ساتھ اسلام ہی کی دہائی بھی دیتا ہے، کاش وہ معصوم علیہم السلام ہستیوں میں اپنی سرگردانی کا علاج تلاش کرتا اور در در کی ٹھوکریں کھانے سے بچ جاتا۔ چونکہ محمد و

آل محمد علیہم السلام کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسی فرد نہیں تھی جس کی سیرت بطور نمونہ پیش کی جاتی اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ انھیں کی حیات طیبہ کو تمام شعبہ حیات میں عملی بنایا جائے تا کہ دنیا وآخرت دونوں کامیاب وکامران رہے۔ اسی لئے ارشاد رب العزت ہوا کہ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ"۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تمھارے لئے نمونہ عمل ہے۔

عالیجناب مولانا غلام حسنین باقری صاحب ناگپوری نے کتاب "نقوش حیات" جو چہاردہ معصومین علیہم السلام کی مختصر سوانح حیات پر مشتمل ہے، میں یہی تلاش کرنے کی کوشش کیا ہے کہ محمد وآل محمد علیہم السلام کے وہ کون سے گوشے ہیں جنھیں انسان اپنا کر ایک بہترین انسان بن سکتا ہے۔ اور سعی وکوشش کرے تو ایک بہترین اسلامی معاشرہ بھی تشکیل دے سکتا ہے۔

میری دعا ہے کہ خدا موصوف کو اس طرح کے اصلاحی موضوعات پر قلم اٹھانے کی آئندہ بھی توفیق عطا فرماتا رہے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

انصار علی ہندی

مدیر حوزۂ علمیہ رسول اعظم کامٹی

شب عید مباہلہ ۲۴ رذی الحجہ ۱۴۲۳ھ

☆☆☆

سیرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ. (الحدید۲۵)

''ہم نے اپنے رسولوں کو بینات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (معیار حق و باطل) نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔''

معاشرہ میں رسولوں کے بھیجنے کا مقصد لوگوں میں انصاف وعدالت کا قیام ہے۔معاشرہ کی خوش حالی امن سکون اس بات میں مضمر ہے کہ عام لوگوں کے ساتھ بھی انصاف وعدالت کے ساتھ سلوک کیا جائے۔ کسی بھی جگہ کسی بھی قسم کی زیادتی کچھ دنوں تک برداشت کی جاسکتی ہے مگر جب یہ چنگاری شعلہ میں تبدیل ہوتی ہے تب گھر، محلّہ، شہر، ملک، حکومت سب کو خاکستر کردیتی ہے ظلم وزیادتی کے ساتھ کسی چیز کا قیام نہیں رہ سکتا ہے لیکن انصاف وعدالت کے ساتھ گھر، محلّہ، شہر، ملک، حکومت کا قیام باقی رہتا ہے گویا ہمارا رویہ عام لوگوں کے ساتھ عادلانہ برتاؤ ہونا چاہیئے۔

قاضی ابوالحسن الماوردی نے اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں لکھا ہے: ''ابوجہل ایک یتیم کا وصی تھا وہ بچہ ایک روز اس حالت میں اس کے پاس آیا کہ اس کے بدن پر کپڑا تک نہ تھا اور اس نے التجا کی کہ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ کچھ دیدے مگر اس ظالم نے اسکی طرف توجہ تک نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر کار مایوس ہو کر پلٹ گیا۔قریش کے سرداروں نے از راہ شرارت اس سے کہا کہ محمدؐ کے پاس جا کر شکایت کر وہ ابوجہل سے سفارش کر کے تجھے تیرا مال دلوادیں گے۔ بچہ

بے چارہ ناواقف تھا کہ ابوجہل کا حضورؐ سے کیا تعلق ہے اور یہ بدبخت لوگ اسے کس غرض کے لئے یہ مشورہ دے رہے ہیں وہ سیدھا حضورؐ کے پاس پہنچا اور اپنا حال آپ سے بیان کیا۔آپ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لیکر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے یہاں تشریف لے گئے آپ کو دیکھ کر اس نے آپ کا استقبال کیا اور جب آپ نے فرمایا کہ اس بچے کا حق اسے دے دو تو وہ دوڑا ہوا گیا اور اس کا مال لا کر دے دیا۔(اسوۂ حسنہ از محمد قاضی شریف ص ۶۸)

دور حاضر میں اپنے کسی شناسائی سے کسی کا حق دلانا بھی لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے لیکن اپنے کسی ایسے دشمن سے جو توحید ورسالت کا منکر اور ہر حیثیت سے طاقتور ہو، جسکے خلاف بولنے کی جرأت نہیں کی جاتی ہے ایسے دشمن سے آپؐ نے یتیم کا حق دلوایا۔یہ آپکی کمال جرأت مندی کا عظیم نمونہ ہے۔

حضرت پیغمبر اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق کہ'' کوئی قوم اور ملت بزرگی و پاکیزگی کو نہیں حاصل کرتی جب تک کہ کمزور اپنا حق بلاخوف اور بلاجھجک طاقتور سے نہ لے لے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرہ میں اس سیرت کو رواج دیا جائے تا کہ پھر کوئی وقت کا ابوجہل کسی یتیم کا حق نہ مار سکے۔

اللہ ہمیں سیرت پیغمبر اکرمؐ پر چلنے کی مزید توفیق مرحمت فرمائے آمین۔

☆☆☆

کامیاب زندگی

لقد کان لکم فی رسول الله اُسوۃ حسنۃ (احزاب ۲۱)

''تمہارے لئے رسولؐ بہترین نمونہ عمل ہیں۔''

یہ خدائی انتظام ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس میں ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی معصومانہ کردار ملت کی ہدایت کیلئے رہا ہے۔ جب کوئی بھی نہ تھا تب بھی خدا نے پہلا ہادی بھیجا۔ اسی طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار ہادی اس دنیا میں تشریف لائے۔ آخر میں ہادی اعظم خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لائے۔ قرآنی آیات کے مصداق حضور بہترین نمونہ عمل ہیں یعنی آئیڈیل کیلئے ہمیں کسی میدان میں کوئی مجبوری نہیں ہے۔ میدان چاہے سیاسی ہو، اقتصادی ہو، ثقافتی ہو، علمی ہو، عملی ہو، تہذیبی ہو یا تربیتی ہو۔ معاملات چاہے انفرادی ہوں یا اجتماعی، خاندانی ہوں یا ملکی، گویا ہر شعبۂ حیات میں حضورؐ ہمارے لئے بہترین نمونہ عمل ہیں لیکن جب مسلم معاشرے میں نظریں ڈالی جاتی ہیں تو افراد کی کثرت ضرور ہے لیکن حضور کی تعلیمات پر عمل پیرا افراد کم نظر آتے ہیں آخر کیوں؟ یہ سبب تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ کیا زبانی گفتگو ہی سب کچھ ہے؟ عملی پہلو ضرور کمزور ہے۔ جب کہ۔ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

خاتم الانبیاء کے ارشاد عالیہ جو ابوذر غفاریؓ سے مروی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

''اے ابوذر! پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو۔

۱۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو۔ ۲۔ بیماری سے پہلے صحت کو۔

۳۔ فقیری سے پہلے مالداری کو۔ ۴۔ مشغولیت سے پہلے فرصت کو۔

۵۔ موت سے پہلے زندگی کو...... (گفتار دلنشیں ۴۳)

یہی وہ پاکیزہ اصول ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کا عہد کرلیں تو ہماری زندگی کامیاب زندگی ہو جائے۔ یہی سبب ہے کہ نہ صرف اپنے بلکہ غیروں نے بھی پیغمبر اسلام کے اخلاق و کردار کو تسلیم کر کے کلمہ شہادت جاری کیا فی زمانہ بھی ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

حضرت رسولؐ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؑ بہت دولت مند خاتون تھیں اور آپ کے پاس بہت سی کنیزیں اور غلام تھے جن میں ایک عیسائی غلام بھی تھا ایک دن اس عیسائی غلام نے رسول اکرمؐ سے کہا میں دوسرے ملک کا رہنے والا ہوں اور مجھے اپنا ملک یاد آتا ہے۔ آپ اپنے ملک کے کنیز اور غلاموں کی مدد کرتے ہیں تو میری بھی مدد کیجئے اور مجھے اپنی بیوی سے سفارش کر کے آزاد کرا دیجئے تا کہ میں اپنے ملک چلا جاؤں مگر میں عیسائی ہوں اور آپ کو رسولؐ نہیں مانتا اور نہ رسول ماننا چاہتا ہوں۔ رسولؐ یہ سن کر ہنسے اور غلام سے کہا میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مانتا ہوں اور ان کی عزت کرتا ہوں اس لئے اپنی بیوی سے تیری سفارش کروں گا چاہے مجھ کو رسولؐ مان یا...... اس کے بعد حضرتؐ نے جناب خدیجہؑ سے غلام کی سفارش کی اور جناب خدیجہؑ نے فوراً عیسائی غلام کو آزاد کر دیا اور اُسے اپنے ملک جانے کا خرچہ بھی دیا اور وہ غلام یہ کہتا ہوا اپنے ملک چلا گیا کہ ''سچ مچ آپؐ تو رسولؐ ہی ہیں۔''

خدایا ہمیں سیرت رسولؐ پر گامزن فرما۔ آمین

☆☆☆

ناصر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم...... حضرت ابوطالب علیہ السلام

اَلَمْ یجدک یتیماً فاٰوی٭ وَوَجَدَک ضَالًّا فَھَدیٰ٭ وَوَجَدَک عَائِلاً فَاَغنی۔

(سورہ ضحیٰ ۵ تا ۸)

''کیا اس نے یتیم پا کر پناہ نہیں دی ہے اور کیا تم کو گم گشتہ پا کر منزل تک نہیں پہنچایا ہے اور تم کو تنگ دست پا کر غنی نہیں بنایا ہے۔'' (ترجمہ انوار قرآن ص ۱۲۲۵)

آیت کی ابتدا سوال سے ہوئی ہے ساتھ ہی اہم مسئلہ یتیمی پر پیغمبر اسلامؐ کو احساس بھی دلایا جا رہا ہے کہ کیا ہم نے تمہاری یتیمی کو پناہ سے نہیں بدلا۔ سماج میں یتیمی اس بات کی متقاضی ہے کہ کوئی پشت پناہ ہوتا کہ ان کے زیر سایہ زندگی کا اہم ہدف کی طرف سفر پرواز جاری رہے۔ دوران یتیمی کسی کا سہارا یا پشت پناہ ملنا بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔ پشت پناہ کے ہونے پر سماج یا معاشرہ میں انسان کا وقار بھی بلند ہوتا ہے۔ معاشرہ میں کام کرنے پر پشت پناہی اچھی کامیابی کی ضمانت ہے۔ بغیر پشت پناہ کے یتیم کے کام کی اہمیت اتنی نہیں رہ جاتی ہے جتنی ہونی چاہیئے۔ پھر ہادی اعظمؐ جس بدترین دور سے گذر رہے تھے وہاں اچھے خاصے کی کوئی اہمیت نہ تھی چہ جائیکہ یتیم، لیکن اس پُر خطر زمانے میں حضرت پیغمبر اسلام کا کون پشت پناہ رہا؟ تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ وہ حضرت ابوطالبؑ ہی کی شخصیت تھی۔ رسالت کی پشت پناہی خدا کو اتنی پسند آ گئی ہے کہ رب العزت نے بیانگ دہل قرآن میں اعلان فرما دیا کہ کیا ہم نے تمہیں پناہ نہیں دی؟ ہمہ شما عظمت پشت پناہ رسالت یا حضرت ابوطالب کی عظمت کو کیا جانیں وہ تو خدا نے اعتراف کیا کہ رسول کو جو پشت پناہی نصیب تھی اسے

میری ہی پشت پناہی سمجھیں۔ جناب ابوطالب کے بارے میں یہ اعتراف کیا جاتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ بے انتہا پیار و محبت کا اظہار کیا کرتے، کھاتے پیتے، اٹھتے بیٹھتے، تربیت وغیرہ میں باقاعدہ خیال رکھا کرتے تھے بلکہ ابوطالبؑ کی کفالت کا چرچہ ہر خاص و عام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ محمد حسین ہیکل حیات محمدؐ کے صفحہ ۱۲۱ پر لکھتے ہیں:

''نہ صرف آپکے زمانہ طفولیت بلکہ بعثت و تبلیغ رسالت کے ابتدائی عہد تک
ابوطالبؑ کی شفقت بہر عنوان آپ پر منعطف رہی یہاں تک کہ وہ (ابوطالب)
بھی قبر میں جا سوئے۔''

بہر کیف ہمدردی کا جذبہ بھی حضرت پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ ہی تھا ان تمام کارکردگی کے باوجود ابوطالبؑ نے کلمہ نہیں پڑھا (معاذ اللہ) کتنی تضاد بیانی کے ساتھ الزام لگایا جا رہا ہے۔ مشاہدات بتاتے ہیں کہ جو کوئی کسی مقصد کا پشت پناہ ہوتا ہے تو اسی مقصدیت کو لیکر آگے بڑھتا ہے اور آنے والی رکاوٹوں کو دور بھی کرتا ہے لیکن مقصد پر آنچ نہیں آنے دیتا چاہے اسے کیسی ہی قربانی دینی پڑے لیکن یہی معیار ''مظلوم تاریخ'' حضرت ابوطالبؑ کے یہاں بدل جاتا ہے!

بالفرض ابوطالب کلمہ گو نہیں تھے تو جو کلمہ کی نشر و اشاعت کر رہا تھا، عقیدہ توحید کا لوہا لوگوں سے منوا رہا تھا، قولوا لا الہ الا اللہ کی تبلیغ کر رہا تھا۔ ایسے فرد کی تربیت اور نصرت حضرت ابوطالبؑ ہی کر رہے تھے، یہ نصرت و تربیت کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ ابوطالب حضرت رسولؐ کے بہترین ناصر و مددگار تھے جو دین حق کی معاونت فرما رہے تھے۔ میں یہ لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ اگر ابوطالبؑ جیسا ناصر رسولؐ نہ ہوتا تو رسولؐ نہ ہوتے اور جب رسولؐ نہ ہوتے، جو کہ دین کے پیغامبر ہیں تو دین نہیں ہوتا، تو نہ جانے کہاں، ہم قعر مذلت میں ہوتے۔ یہ احسان ابوطالبؑ کا ہے کہ جب خود

حیات رہے تو رسول اور دین کی نصرت کرتے رہے اور جب اس دنیا سے چلے گئے تو اپنا ایک فرزند حضرت علیؑ رسول کو دے گئے جو آخر دم تک رسولؐ کی نصرت و حفاظت کرتے رہے۔ بہ الفاظ دیگر بقید حیات نفس نفیس اور بعد حیات بہ شکل علیؑ جس نے نصرت فرمائی اسی شخصیت کا نام ابوطالبؑ ہے۔

دین اسلام کے لئے حضرت ابوطالب کی جامع شخصیت ایک مقام رکھتی ہے۔ حضرت پیغمبر اسلامؐ کے نکاح کے سلسلہ میں جناب قاضی محمد شریف اسوۂ حسنہ کے صفحہ ۳۷ پر اس طرح رقم طراز ہیں:

''پیغمبر اسلام کا نکاح حضرت ابوطالبؑ نے پڑھا۔''

فی زمانہ کوئی مسلمان اپنا نکاح کسی غیر مسلم، غیر کلمہ گو یا پنڈت سے پڑھانے کے لئے راضی نہیں لیکن عجیب بات ہے محسن اسلام حضرت ابوطالبؑ کو کلمہ گو متصور نہیں کیا جاتا یہ ایک تاریخی المیہ ہے ۔اسی طرح حضرت ابوطالبؑ کے اشعار جو شاہکار ہیں اشعار ابوطالبؑ کے عنوان کے تحت سیرۃ ابن ھشام جلد اول کے صفحہ ۲۸۲ اور ۲۸۴ پر لکھا ہے لیکن خورشید خاور کے ص ۵۴۰ پر ایمان کا کھلا ہوا ثبوت ملتا ہے جو کہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سوم ص ۳۱۵ کے حوالہ حضرت ابوطالبؑ کا یہ کلام نقل کیا ہے۔

یا شاهد الله علی فاشهد انی علیٰ دین النبی احمد

من ضل فی الدین مهتد

یعنی اے اللہ کی گواہی دینے والے گواہ رہو کہ میں یقیناً پیغمبر خدا احمدؐ کے دین پر ہوں اگر کوئی دین میں گمراہ ہے تو میں ہدایت یافتہ ہوں۔

بہ نظر غائر اگر حضرت ابوطالبؑ کی پوری زندگی کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ پوری زندگی میں کوئی لمحہ ایسا نہیں آیا جو کفر یا کفر کے قریب ہو کر گذرا ہو یا اسلام سے کنارہ کشی اختیار کی ہو۔ مسئلہ یہ

ہے کہ آپ کے بیش قیمت لمحات کا جائزہ لینے کے لئے تعصب سے دور اور معصوم آنکھوں کی ضرورت ہے تاکہ حقیقی زندگی ابوطالبؑ منظر عام پر آئے۔

حفاظت رسولؐ میں درج ذیل واقعہ دیکھیں کہ حضرت ابوطالبؑ کی نظر میں حفاظت رسول کتنا اہم مسئلہ تھا کہ سفر تجارت کو ترک کر دیا لیکن رسولؐ کی حفاظت فرمائی۔ سردار قریش ابوطالب کو تجارتی قافلے کے ساتھ سفر درپیش تھا جو کہ سرور عالم کا پہلا سفر ہے جب قافلہ تجارت سرزمین شام کے مقام بصریٰ میں اترا جہاں بحیرا نامی راہب کلیسا میں رہتا تھا جس نے کتابوں میں یہ پڑھ رکھا تھا کہ ایک دن ضرور سید المرسلین کا گذر ہوگا بحیرا نے دیکھا کہ ایک بچہ جب جب راستہ چلا کرتا ہے ابر اس پر سایہ فگن ہے اور جب رک جاتا ہے ابر بھی وہیں رک جاتا ہے اور درخت جھک جاتے ہیں بحیرا نے سمجھ لیا کہ ضرور خاص بات ہے قافلہ والوں کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ قریش والو! میں نے تم لوگوں کی دعوت کی ہے۔ چاہتا ہوں کہ ہر چھوٹا بڑا، غلام و آزاد تم سب مل کر ما حضر تناول کرو قافلہ میں ایک شخص بڑھ کر عرض کرتا ہے کہ اس کے پہلے ہم ادھر سے گذرا کرتے تھے مگر تو اتنا اہتمام نہیں کرتا تھا مگر آج کیا خاص بات ہے؟ بحیرا نے جواب دیا کہ میری خواہش پوری کر دو غرض کہ مال کی نگرانی کے لئے آنحضور کو چھوڑ کر سبھی خورد و بزرگ بحیرا کی دعوت پر چلے گئے مگر بحیرا کو سرور عالمؐ نظر نہ آئے تو اس نے بے قرار ہو کر دریافت کیا آپ سبھی حضرات آگئے ہیں اور اب کوئی نہیں بچا ہے لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں سب آگئے ہیں مگر ایک بچہ ہے جسے سامان کی نگرانی کے لئے چھوڑ آئے ہیں بحیرا نے زور دے کر کہا اسے بھی لاؤ قریش کے ایک شخص نے کہا کہ لات و عزیٰ کی قسم ہمارے لئے باعث ذلت ہے کہ ہم میں سے عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا کھانے سے چھوٹے غرض خاتم النبیینؐ لائے گئے گویا حضرت کے سبب ہی لوگوں کو کھانا نصیب ہوا اور لوگ انہیں ہی فراموش کر رہے تھے الغرض جب کھانا

کھا چکے تو اس کے بعد بحیرا خود پیغمبر اکرمؐ کے پاس آیا اور کہا اے بچے لات وعزی کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جو بات میں تجھ سے پوچھوں بتاتے جانا۔

خاتم النبیینؐ: مجھے لات وعزی سے سخت نفرت ہے لہٰذا ان کی قسم نہ دو۔

بحیرا: اللہ کی قسم آپ مجھے وہ بتایئے جو میں آپ سے پوچھتا ہوں۔

خاتم النبیینؐ: جو تمہیں معلوم کرنا ہو پوچھو۔

غرض اپنے سوالات کے جوابات صحیح پا چکا تب ابوطالبؑ سے پوچھا کہ یہ بچہ کس کا ہے ابوطالبؑ نے بڑھ کر کہا "میرا۔"

بحیرا: میرے علم اور معلومات کے مطابق ان کے باپ حیات نہیں ہیں۔

ابوطالبؑ: ہاں تو ٹھیک کہتا ہے چونکہ یہ میرا حقیقی بھتیجا ہے جو میری شفقت وتربیت میں ہے

بحیرا: آپ بالکل صحیح فرماتے ہیں خدا کے لئے انہیں شام نہ لے جایئے قوم یہود ان کی دشمن ہو جائیگی۔

چنانچہ ابوطالبؑ نے سارا سامان وہیں فروخت کیا اور بسرعت وہاں سے نکلے اور آپ کو مکہ بحفاظت لیکر واپس آئے۔ درج بالا واقعہ مختلف کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے لیکن سیرت ابن ھشام میں جلد اول کے صفحہ ۲۰۵ ۔ ۲۰۷ پر بھی درج ہے۔

ہماری جانب سے لاکھوں سلام اس شخص پر جس نے ہادی عالمؐ کی ہر طرح نصرت ویاوری کی اور حفاظت میں کوئی کسر نہ چھوڑی اسی ذات والاصفات کو ناصر رسول حضرت ابوطالبؑ کہتے ہیں۔

☆☆☆

دور حاضر کے سماجی وسیاسی مشکلات
اور تعلیمات امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام

جس طرح سے در ودیوار کے وجود سے مکان بنتا ہے اور کئی متعدد مکانوں کے وجود سے محلہ اور چند محلوں سے گاؤں بنتا ہے اور متعدد گاؤں باہم ملانے سے شہر بنتا ہے اور متعدد شہروں کو آپس میں جوڑ دینے یا ملا دینے سے ملک وجود میں آتا ہے اسی طرح چند افراد سے قبیلہ وخاندان تشکیل پاتا ہے، خاندانوں کے آپسی میل ملاپ سے معاشرہ بنتا ہے جسے سماج یا سوسائٹی بھی کہتے ہیں۔ ماہرین سماجیات سماج میں فرد، خاندان کے مسائل کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔ دراصل فرد اور خاندان کی ترقیاں ہی سماج کی ترقیاں کہلاتی ہیں لیکن کب؟ جب افراد خاندان کا آپسی اتحاد ہو اور ہاں جب فرد تنہا صرف اپنی ترقی کا ہی خیال رکھے تو اسے مفاد پرست کہتے ہیں۔ جبکہ خود کی ترقی بھی اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے جتنی سماج میں رہنے والے ہر بشر کی۔ ارسطو کے نزدیک وہ انسان انسان نہیں ہے جو سماج میں دوسروں کے ساتھ مل جل کر نہ رہے۔ ظاہری بات ہے جب مختلف شکل وصورت، مختلف خیالات، الگ الگ کردار کے مالک افراد سماج میں بستے ہیں ویسے ہی مسائل ومشکلات کا بھی سامنا ہوتا ہے پیدائش سے بچپن، بچپن سے جوانی تک، جوانی سے بڑھاپے تک ہر دور میں مشکلات کا سامنا بھی ہوتا ہے۔

انبیاء ومرسلین کی آمد کا مقصد بھی یہی تھا کہ ایسا معاشرہ یا سماج تشکیل دیا جائے جس میں داخل ہونے والا ہر فرد بشر واقعی انسان بن جائے، آپسی لین دین، کاروبار معیشت بنا سود کے ہو، عدل

وانصاف قائم کرنا، سماج میں عورت کا مقام عفت و پاکدامنی کے ساتھ ہو تیز ہر انسان کے دل کو یاد خدا سے منور کردیا جائے۔

معاشرہ کے افراد سے خطاب فرماتے ہوئے خطبہ قاصعہ (خطبہ نمبر ۱۹۰) میں حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

''دیکھو نیکوں کی اطاعت اور سرکشوں کی مخالفت کرنا، حسن سلوک کا پابند ہونا اور ظلم وتعدی سے کنارہ کش ہونا، خونریزی سے پناہ مانگنا، خلق خدا سے عدل وانصاف برتنا، غصہ کو پی جانا زمین میں شرانگیزی سے دامن بچانا۔''

سماج کے پھلنے پھولنے میں باہمی اتفاق بھی بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے، تعاون کے فقدان، آپسی تناؤ و نفرت اور دلوں میں کینوں سے معاشرہ کبھی ترقی کی راہوں پر گامزن نہیں ہوسکتا ہے لہذا امام علیؑ اسی خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''تم ہر اس امر سے پرہیز کرو جس نے ان کی ریڑھ کی ہڈی کو توڑ ڈالا اور قوت وتوانائی کو ضعف سے بدل دیا وہ یہ تھا کہ انھوں نے دلوں میں کینہ اور سینوں میں بغض رکھا ایک دوسرے کی مدد سے پیٹھ پھرالی اور باہمی تعاون سے ہاتھ اٹھالیا''

معاشرہ کے بننے بگڑنے میں صرف قسمت یا اتفاق کا دخل نہیں ہوتا بلکہ اس میں بڑی حد تک معاشرہ میں رہنے والے افراد کے افعال واعمال کا دخل ہوتا ہے جیسا عمل ہوگا ویسا نتیجہ برآمد ہوگا۔ معصومؑ کا ارشاد ہے انما الاعمال بالنیات ''اعمال کا دارومدار نیت پر منحصر ہے۔'' اسی لئے معاشرہ میں جو برائیاں رواج پا چکی ہیں اسے بھی جڑ سے ختم کرنا از حد ضروری ہے ورنہ پیہم برائیاں کرنے والوں میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا ساتھ ہی رحمت خداوندی سے دوری کا سبب بھی ہوگا۔ امام عدل

وانصاف نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوند عالم نے گزشتہ امتوں کو محض اسلئے اپنی رحمت سے دور رکھا کہ وہ اچھائی کا حکم دینے اور برائی کے منع کرنے سے منہ موڑ چکے تھے چنانچہ اللہ نے بیوقوفوں پر ارتکاب گناہ کی وجہ سے اور دانشمندوں پر خطاؤں سے باز نہ آنے کے سبب سے لعنت کی ہے۔

چونکہ ہم سماج میں رہتے ہیں لہذا ہماری سماجی مشکلات بھی بیشتر ہیں اس میں ایک ناخواندگی اور علم سے دوری ہے جہالت سے قربت ہے یہ ایک ایسا سبب ہے کہ اس کے ہونے سے مشکلات میں اضافہ ہی ہوتا ہے کمی نہیں لیکن علم ہونے پر یقین پیدا ہوتا ہے اور اعتماد بھی جو کسی مسئلہ کو سمجھنے اور اسے حل کرنے میں بہترین مدد معاون ثابت ہوتا ہے۔ جہالت کو دور کرنے کیلئے منصوبہ بند لائحہ عمل کی ضرورت ہے علم حاصل کرنے میں شرمانا سراسر نادانی ہے۔ مولائے کائناتؑ فرماتے ہیں ''خوف کا نتیجہ ناکامی اور شرم کا نتیجہ محرومی ہے'' کیونکہ شرم وحیا کی بناپر بہت سی ضروری چیزوں سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے جیسے کوئی شخص سماج میں یہ تصور کرے کہ اگر فلاں بات میں نے دریافت کی تو لوگ اسے جاہل کہیں گے۔

تو یہ بے موقع و بے محل خودداری اس شخص کیلئے علم ودانش سے محرومی کا سبب بن جائیگی اسلئے کہ کوئی بھی عقلمند انسان علم و دانش کے سیکھنے میں اور دریافت کرنے میں عار محسوس نہیں کریگا چنانچہ ''ایک سن رسیدہ شخص سے جو بڑھاپے کے باوجود تحصیل علم کرتا تھا کہا گیا کہ تمہیں بڑھاپے میں پڑھتے ہوئے شرم نہیں آتی اس نے جواب میں کہا کہ جب مجھے بڑھاپے میں جہالت سے شرم نہیں آتی تو اس بڑھاپے میں پڑھنے سے شرم کیسے آسکتی ہے۔'' معلوم ہوا کہ علم و دانش کے حصول میں شرمانا دانشمندی نہیں ہے بلکہ اسے احمقانہ فعل گردانا جائیگا۔ خطبہ نمبر ۳۴ میں امام عدل وانصاف فرماتے ہیں کہ:

"اے لوگو! ایک تو میرا تم پر حق ہے اور ایک تمہارا مجھ پر حق ہے کہ میں تمہاری خیر خواہی پیش نظر رکھوں اور بیت المال سے تمہیں پورا پورا حصہ دوں اور تمہیں تعلیم دوں تا کہ تم جاہل نہ رہو اور اسطرح تمہیں تہذیب سکھاؤں جس پر تم عمل کرو۔"

تحصیل علم و دانش سماج کے لئے کتنا اہم فریضہ ہیکہ اپنے لئے حق بتا رہے ہیں بلکہ ایسا فریضہ سکھانے کی تعلیم دے رہے ہیں کہ جس پر عمل کیا جا سکے۔ معلوم ہوا تعلیم برائے عمل ہونا چاہیئے۔

باب مدینۃ العلم ایک مقام پر طلب علم کے متعلق فرماتے ہیں:

"اے لوگو! جان لو کہ دین کا کمال طلب علم اور اس پر عمل کرنے میں ہے تم پر طلب علم، طلب مال سے کہیں زیادہ واجب ہے کیونکہ مال مقسوم ہو چکا ہے خداوند عادل نے مال کو تم میں تقسیم و معین فرما دیا ہے اور وہی اسے تم تک پہنچاتا بھی ہے لیکن علم کا خزینہ ان کے پاس ہے جو اس کے اہل ہیں تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ علم تم اہل علم سے طلب کرو۔"

سماجی مشکلات میں دوسری اہم مشکل یہ ہے کہ حد سے سوا خرچ کرنا چاہے وہ کھانے پینے کی اشیاء، سامان آسائش، لڑکی کو جہیز دینا، چاہے وہ انسان کی اپنی انفرادی ضرورت ہو چاہے کچھ ہو، انسان کی چند ایسی ضرورتیں ہوا کرتی ہیں کہ یا انھیں یکسر ترک کر دی جائیں یا انھیں آئندہ کیلئے بالائے طاق رکھ کر اسباب و عوامل یا موافق حالات میسر ہونے پر روبہ عمل لایا جا سکتا ہے لیکن علیؑ اپنی دوران خلافت میں ایک دن قصاب خانے کے نزدیک سے گزر رہے تھے۔ قصاب نے جب آپ کو دیکھا تو کہنے لگا یا امیر المومنینؑ! بہت عمدہ گوشت لایا ہوں اگر آپکو ضرورت ہے تو لے جائیے حضرت علیؑ نے فرمایا میرے پاس رقم موجود نہیں ہے کہ گوشت کی قیمت ادا کر سکوں۔ قصاب نے عرض کیا آپ اس

وقت گوشت لیجائیے قیمت کی فکر نہ کریں جب چاہے ادا کر دیجئے میں اس وقت تک صبر کر لوں گا۔
حضرت علیؑ نے فرمایا: "میں اپنے پیٹ سے کیوں نہ کہوں کہ صبر کر لے۔"

یہ بات صرف گوشت تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بیشتر ایسے افراد دیکھنے میں آتے ہیں کہ واشنگ مشین، کولر، ٹی وی اور فریج خریدنے کیلئے رقم نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسا ذریعہ معاش ہے کہ خریدی ہوئی اشیاء کی قیمت ادا کر دی جائے یا ادا کرنے کی ہمت بھی ہو تو اصل رقم قسط وار مع سود کے لگایا جاتا ہے یعنی معمولی سی خواہش نفسانی و آسائش کو حاصل کرنے کیلئے ایک حرام فعل کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے۔

کتنی شرمناک بات ہے ہم علیؑ کے محب ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر کردار علیؑ سے کتنا استفادہ کرتے ہیں! ہماری سماجی مشکلات کا حل صرف تعلیمات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو اپنی زندگی میں اپنانے میں ہی ہے۔

اب رہی اپنی دوسری بحث، دراصل سیاست سے بحث کرنے سے پہلے سیاست کے لغوی معنی سمجھنا ضروری ہے۔ سیاست ملکی تدبیر و انتظام کو کہتے ہیں یعنی بالفاظ دیگر حقوق و فرائض کا بہ حسن و خوبی ادا کرنا اور بجالانا خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی تا کہ انسانی و سماجی و سیاسی زندگی خوشگوار ہو، کسی پر زیادتی اور کسی کی حق تلفی نہ ہو یہی سیاست ہے۔

امام المتقین حضرت علیؑ فرماتے ہیں **حسن السیاسۃ قوام الرعیۃ** یعنی اچھی سیاست معاشرہ کا پایہ اور استحکام کا ذریعہ ہے۔ دوسرے مقام پر **مَنْ حَسُنَتْ سِیَاسَتُہٗ دامت ریاستۃ** یعنی جسکی سیاست صحیح اور اچھی ہوگی اسکا اقتدار باقی رہے گا، سیاست میں حسن تدبیر سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے۔ تیسرے مقام پر ارشاد مولائے کائنات ہے **سوءُ التدبیرِ سببُ التدمیرِ** یعنی غلط

سیاست وتدبیر ہلاکت وتباہی کا باعث ہے۔

سیاست کا سماج سے اتنا ہی تعلق ہوتا ہے جتنا سماج کا سیاست سے چونکہ سیاست میں حسن تدبیر کا عمل دخل ہوتا ہے لہٰذا سیاست کا پہلو زیادہ وزنی ہو جاتا ہے بہ نسبت سماج کے۔ بلکہ سیاست کا اثر سماج پر زیادہ ہوتا ہے۔ غلط سیاست سے سماج میں بہت سی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ قائد کی غلط سیاست سے سماج کو اچھا خاصہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ مولائے کائناتؑ فرماتے ہیں 'قائدوں کو جس آفت سے خطرہ لاحق ہے وہ سیاسی بصیرت کی کمزوری ہے' دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں۔ ''جس کی سیاسی بصیرت کمزور ہوگی اسکا اقتدار بھی مختصر ہوگا'' یہی وجہ تھی کہ قائدانہ ورہبرانہ صلاحیت کے مالک علیؑ شیر خدا نے امت کے قائدین کو پیش آنے والی مشکلات ومسائل میں اپنی علمی رہبری و رہنمائی فرمائی نیز مفید مشورے بھی عنایت فرمائے یہاں تک کہ جب ظاہری خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو حالات بہت خراب ہو چکے تھے لیکن اصلاح امت سیاسی اصولوں کے ذریعہ جابجا فرماتے رہے، جس کی تاریخ شاہد ہے۔

جہاں پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسن سیاست یہ تھی کہ ہر معاملہ میں راستبازی، صداقت ایمانداری، عدل وانصاف سے کام لیا جائے اور مکر وفریب چالبازی کا شائبہ تک نہ آنے پائے لیکن دنیاوی سیاست میں اپنی سلطنت کو بچانے کیلئے، ہر چالبازی مکر وحیلہ وعیاری جائز ہے اور لفظ سیاست بھی دنیا میں اسی مفہوم کیلئے ہی استعمال کیا جاتا ہے اور یہی ہماری سیاسی مشکل ہے کہ اسے غلط استعمال کیا جا رہا ہے لیکن تعلیمات علیؑ سے پتہ چلتا ہے کہ علیؑ نے کبھی ایسا کوئی طریقہ استعمال نہ کیا جس سے کسی انسان کو آپکی ذات گرامی اور سیاست سے کوئی نقصان پہنچا ہو بلکہ مقام فخر میں کہتے ہیں: ''اگر مجھے دین وتقویٰ عدل وانصاف کا لحاظ نہ ہوتا تو میں تمام عرب سے زیادہ چالاکی

اور مکاری کر سکتا تھا اور میری ہوشیاری سب سے بڑھی ہوئی ہوتی۔'' لہٰذا سیاست کی تعریف علیؑ کے کلمات سے یہ ہونا چاہیئے کہ سیاست عدل وانصاف کے قیام کیلئے حکومت چلانے کے فن اور ذکاوت وذہانت کے صحیح استعمال کا نام ہے۔

نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۸ میں علیؑ فرماتے ہیں کہ ''خدا کی قسم معاویہ مجھ سے زیادہ ہوشیار اور سیاست داں نہیں ہے مگر فرق یہ ہے کہ وہ غداریوں سے چوکتا نہیں اور بدکرداریوں سے باز نہیں آتا اگر مجھے عیاری وغداری سے نفرت نہ ہوتی تو میں سب لوگوں سے زیادہ ہوشیار وزیرک ہوتا۔''

جہاں قائد کی غلط سیاست سماج کیلئے مشکلات کھڑی کر دیتی ہے وہیں ایک حیوانی صفت جو معاشرہ میں اثر ونفوذ پا چکی ہے وہ طاقت کا بیجا استعمال جہاں ایک طاقتور کمزور کو نگلتا جا رہا ہے اور کمزور اپنے سے زیادہ کمزور کے حق کو پامال کر رہا ہے کم وبیش یہ باتیں سماج میں دیکھی جا رہی ہیں لگتا ہے زندگی کا حق طاقت سے ہی وابستہ ہو چکا ہے۔ جنگلاتی قانون حکمراں ہے مثلاً بوسینا ہرزیگونیا، فلسطین وغیرہ اس قانون کا شکار ہیں۔ جہاں حقوق بشر کی ہر طرح پامالی ہو رہی ہے اسکے اسباب وعلل کی طرف مولائے متقیان اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''کوئی بھی محل آسمان کی بلندی تک نہیں پہونچتا ہے مگر یہ کہ اس کے نیچے ہزاروں جھونپڑیاں مسمار ہو گئی ہوں'' دنیا کی بہت سی قومیں فلسطینیوں کی طرح اپنے آبائی وطن سے آوارہ ہوتی جا رہی ہیں ان کی درد بھری مظلوم فریادیں کون سنے گا، بڑی بڑی حکومتیں ان کا خون چوس رہی ہیں، مختلف طاقتی ہتھکنڈوں کے ذریعہ تہس نہس کرنے پر تلی ہوئی ہیں، استعماری طاقتیں فکر وقلم کی طاقت کا غلط استعمال کر کے سیاسی راہیں ہموار کرتی ہیں جس کے نتیجے میں تہذیب وتمدن کے اصل ڈھانچے کو تباہ وبرباد کرتی جا رہی ہیں۔

معاشرہ ان تمام زیادتیوں کو کب تک برداشت کرتا رہے گا بلکہ ضرورت ہیکہ ہم اپنی طاقت

اور تمام وسائل وامکانات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے آزادانہ زندگی کے بارے میں غور وفکر کریں نیز سیاسی ہی نہیں بلکہ ہر شعبۂ حیات میں آزادی واستقلال کا راستہ تلاش کرلیں جس کے لئے آپسی اتحاد اور دانشمندانہ سیاسی اقدام کی ضرورت ہے۔

حکومت چلانے میں کافی سیاسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کچھ اپنے قریبی لوگ ہوتے ہیں جو صرف اپنا فائدہ حاصل کرنے کیلئے چاپلوسی کو زیادہ اہمیت اور حاکم کی خوشی کو ہی سب کچھ سمجھتے اور حاکم کے سامنے حقائق کو الٹ پلٹ کر پیش کرتے نیز رعایا کو کچھ نہیں سمجھتے لیکن تعلیمات علیؑ سے پتہ چلتا ہے کہ ''ان کا برتاؤ حاکموں کے ساتھ عادلانہ رہتا' اچھوں کی حوصلہ افزائی فرماتے، بڑوں پر تشدد نہیں کرتے بلکہ اصلاح کو مدنظر رکھتے، کسی کے ساتھ بیجا امتیاز بھی نہیں برتتے، اور نہ کسی کے ساتھ مکاری کرتے بلکہ ان کا ہر فعل وعمل رعایا کے ساتھ انصاف کرنا تھا یہی نہیں بلکہ حاکم اور رعایا کے مابین حق وانصاف پیش نظر رہا کرتا تھا۔

ایک دفعہ آپ کو اطلاع دی گئی کہ عبداللہ ابن عباس بحیثیت گورنر بصرہ نے کچھ مال کا ناجائز تصرف کیا ہے آپ کے پوچھنے پر انھوں نے تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ مولائے متقیان علیؑ حاکمانہ انداز میں ارشاد فرماتے ہیں:

> ''اے ابن عباس! میں نے تم کو اپنی امانت میں شریک بنایا تھا، تم زیادہ بھروسہ کے لائق تھے جو میری ہمدردی کرتے اور امانت مجھے واپس کرتے لیکن تم نے ایسا نہیں کیا بلکہ غداروں کے ساتھ ملکر تم نے بیوفائی کی نہ ہمدردی کی نہ امانت واپس کی۔ کیا قیامت پر تمہارا ایمان نہیں ہے کیا بعد میں حساب نہیں ہوگا، کیا تم سوچتے نہیں کہ یتیموں، بیواؤں اور مجاہدان راہ خدا کا مال خرچ کر رہے ہو اللہ سے ڈرو،

> قوم کا مال واپس کردو تم نے ایسا نہیں کیا تو بخدا اگر مجھے موقع ملے تو میں تمہارا انصاف کروں گا اور حقدار تک اس کا حق پہونچاؤنگا، ظالم کو ظلم کی سزا اور مظلوم کے حق میں انصاف کروں گا۔''

ذمہ داران حکومت کے فرائض بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ''ذمہ داران حکومت کا فرض ہے کہ لوگوں کے درمیان پھیلی ہوئی بدگوئی، چغل خوری کے جراثیم کی روک تھام کی لئے کمربستہ رہیں، چغلخوری کرنے والے افراد کو اپنے قریب نہ بھٹکنے دیں ان سے نفرت کا اظہار کریں نیز انتقامی کاروائی اور قلبی کدورت سے پرہیز کریں اپنے دل کو رعایا کے لئے مہر ومحبت سے لبریز رکھیں، محبتیں تعلقات کو محکم بناتی ہیں۔

تعلیمات حضرت امیرالمومنینؑ دور حاضر کے سماجی وسیاسی مشکلات کا صد فیصد حل ہے کیونکہ بیشک آپکی مقدس تعلیم بے چین، مصیبت زدہ، کچلی ہوئی عوام، ظلم وعدم مساوات کی شکار انسانیت کی جملہ بیماریوں کا علاج ہے جسے اپنا کر، بدقسمت انسان اپنی بیماریوں کا مکمل علاج کرسکتا ہے۔ کامیاب ومتوازن سماج صرف تعلیمات علیؑ پر ہی عمل پیرا ہو کر بن سکتا ہے۔ اس لئے کہ علیؑ ہی وہ ذات ہے جس نے ہر قوم وملت اور ہر مکتب فکر سے خراج تحسین حاصل کیا ہے اور جسکی ذات والا صفات تمام عالم انسانیت کے لئے روشن منارۂ ہدایت اور رہنمائے منزل مقصود ہے۔

☆☆☆

حضرت علی علیہ السلام کی ازدوجی زندگی اور اسکے اثرات

نفسِ رسول حضرت علیؑ کی ازدواجی زندگی فاطمہ زہرا بنت پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں بندھنے کے ساتھ ہی شروع ہوتی ہے۔ جس وقت فاطمہؑ نے علیؑ کے خانۂ اقدس میں قدم رکھا اور شب بسر ہو جانے کے بعد صبح کو رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یعنی پدر فاطمہ نے داماد علی علیہ السلام کے گھر پر حاضری دی اور علی سے دریافت فرمایا کہ یا علی! میری بیٹی فاطمہ کو کیسا پایا؟ گویا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی حسن تربیت کا نتیجہ اپنے داماد علیؑ سے کہلوانا چاہتے ہیں اور علیؑ بھی جواب دیتے ہیں کہ یا رسول اللہ فاطمہ کو اپنی عبادت میں معاون پایا۔ کیا کہنا ایسے رشتۂ ازدواج کا جو عبادت میں مددگار ثابت ہوا۔ یہ ہے امام المتقین علیؑ کی ازدواجی زندگی کی شروعات۔ ظاہری بات ہے کہ جس ازدواجی زندگی کی شروعات کمالات وفضیلت سے پُر ہو تو اس کے اثرات بھی ویسے ہی با کمال نظر آئیں گے۔ کیونکہ ہر انسان کی زندگی کچھ نہ کچھ اثرات لیے ہوئے ہوتی ہے انسان جس شعبۂ حیات سے تعلق رکھے اس کے اثرات ضرور اس کے حلقہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جیسے ہر انسان کی مختلف صفاتی حالتیں ہوتی ہیں ویسے ہی اثرات سماج اور معاشرہ میں تربیت پاتے ہیں مثلاً ایک امیر کی بات سماج اور معاشرہ میں وزن رکھتی ہے جبکہ غریب ومسافر کی بات کا اتنا اثر نہیں ہوتا لیکن باعمل قائد کی باتیں یا تحریک ضرور معاشرہ کے ہر طبقہ پر اپنا اثر قائم رکھتی ہیں۔ وہیں بے عمل قائد کی باتیں یا تحریک صرف لفظی جمع خرچ ہی ہوتی ہیں۔ کیا کہنا اسوہ کامل امام المتقین حضرت علیؑ کی ازدواجی زندگی کا اور ان کے اثرات کا جس نے پوری

زندگی میں کبھی بھی کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ فاطمہ کو یا اور کسی بیوی کو بلکہ ہر بیوی کے ساتھ عدل وانصاف کا دامن چھوٹنے نہ دیا چاہے کیسے ہی دکھ بھرے یا خوشی کے لمحات ہوں جیسا کہ ہم لوگ جذبات میں ہر چیز کو جائز سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو جتنا بڑا صاحب منصب واقتدار ہوتا ہے اتنا ہی خانگی زندگی میں شکوہ وشکایت کا چلن رہتا ہے۔

علیؑ کی مقدس ازدواجی زندگی کا ایک گوشہ یہ بھی ہے کہ خود شوہر فاطمہ علیؑ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! جب تک فاطمہ زندہ رہیں میں نے کبھی بھی فاطمہ کو ناراض نہیں کیا اور میری نافرمانی بھی انھوں نے کبھی نہیں کی۔ بلکہ میں جب بھی ان کی طرف دیکھتا تھا میرے تمام رنج وغم دور ہو جاتے تھے۔'' لہٰذا ہمیں درس حاصل کرنے کی ضرورت ہے کہ شوہر بیوی کے مابین نافرمانی کا کوئی گزر نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی ناراضگی ہونی چاہئے۔ بلکہ خوش وخرم دونوں کو زندگی گزارنا چاہئے تاکہ دونوں کی زندگی کامیاب زندگی ثابت ہو۔

علیؑ کی ازدواجی زندگی کا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ کبھی جہیز کا شکوہ نہ لب پر لائے اور نہ ہی فاطمہؑ کو اور دیگر باتوں کے لئے پریشان کیا جیسا کہ آئے دن ہم لوگ اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں اور دونوں کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ بلکہ کتنی ہی ازدواجی زندگی طلاق کا جامہ پہن لیتی ہے۔ جبکہ داماد رسول علیؑ اور دختر رسول فاطمہؑ دونوں میں بے پناہ محبت اور اخلاص موجود تھا۔ اگر یہ گھریلو زندگی معمولی معمولی شکایات پر مشتمل ہوتی تو علیؑ کی ازدواجی زندگی انسانوں کے لئے نمونۂ عمل نہیں بن سکتی تھی اور نہ ہی ایک عظیم ترین انسان کی شکل میں پہچانے جاتے۔ لہٰذا علی کی زندگی سے ہمیں یہ اثرات ضرور لینا چاہئے کہ کاروبار حیات میں شوہر کی بلند ہمتی، بیوی کی دلجوئی کامیاب ازدواجی زندگی کا اہم رکن رہے۔

علیؑ کی ازدواجی زندگی کے پاکیزہ اثرات بصورت امام حسنؑ وحسینؑ اور زینبؑ وام کلثومؑ نیز حضرت عباس علیہ السلام ومحمد حنفیہؒ کی شکل میں دیکھے جاسکتے ہیں جو کہ علیؑ کے بہترین حسن تربیت کے نمونہ ہیں اور امت کے لئے آئینہ بھی۔ یہ وہ ذوات مقدسہ ہیں کہ دنیا آج تک ان کے زیر احسان ہے۔ خصوصاً حسنؑ وحسینؑ کی حسن تربیت کے بارے میں کیا کہنا۔ ایک صاحبزادہ اسلام کے لئے صلح پیغمبرؐ کا مظاہرہ کرتا ہوا نظر آرہا ہے تو دوسرا صاحبزادہ حسینؑ طاغوتی طاقت یزید کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس صفحہ ہستی سے نابود کرتا ہوا بقول شخصے

نام یزید داخل دشنام ہوگیا

یہ ذوات مقدسہ معصوم ہستیاں ہیں جن کی تربیت علیؑ نے انجام دی وہیں زینب وکلثوم کی بھی بہترین ڈھنگ سے تربیت فرمائی کہ جب زینب نے خطبہ دیا تو لوگوں نے محسوس کیا کہ علی بول رہے ہیں۔ زینب نے خطبوں اور تقاریر سے ظالم وجابر کو رسوائے زمانہ کردیا اور جابجا اپنے بھائی حسینؑ کی مظلومیت کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ مقصد حسینیت کا اعلان بھی کیا۔ ایسے حالات میں زینب نے ذمہ داری سنبھالی کہ جہاں حسینؑ کی تمام ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے امام حسین کے شہید ہونے کے ساتھ ہی زینب کی ذمہ داری کی شروعات ہوتی ہے اور اپنے کاندھے پر اس ذمہ داری کو کامیاب طور سے سنبھال کر باطل کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔ یہی زینب علیؑ کی بہترین حسن تربیت کا ایک نمونہ ہیں۔

علیؑ کی ازدواجی زندگی کا ایک خاص اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ علیؑ وفاطمہؑ کے مابین امور خانہ داری میں تقسیم عمل۔ علیؑ نے جب فاطمہؑ کو کام کرتے دیکھا خود بھی ان کے کاموں میں ہاتھ بٹایا بلکہ اس طرح تقسیم عمل کیا کہ گھر کا کام فاطمہ انجام دیا کرتی تھیں اور علیؑ گھر کے باہر کے امور انجام دیا کرتے تھے۔ جب اس طرح ہر شوہر اور بیوی اپنے اپنے فرائض انجام دیتے رہیں گے تو کبھی کسی قسم

کی رنجش کا شکار نہ ہوسکیں گے۔

علیؑ اپنی ازدواجی زندگی میں جب تک فاطمہؑ زندہ رہیں کبھی بھی دوسری شادی کا خیال دل میں نہیں لائے اور کبھی آیا بھی تو کسی خاص مقصد کے تحت جیسے بہادر بیٹے کیلئے بہادر خاندان کی لڑکی سے نکاح کرنا بلکہ اس ارادہ سے خود عقیل کے دل میں بھی یہ خواہش ڈالنا مقصود تھا کہ اگر عباسؑ حسینؑ کیلئے کربلا میں کام آئیں گے تو عقیل کی نیابت میں مسلمؑ سفیر حسینؑ ہوگا۔ جہاں علیؑ کی ازدواجی زندگی خود علیؑ پر اثر انداز ہو رہی ہے وہیں عقیل پر اثر انداز ہوئی یہی علیؑ کی باکمال زندگی کا اثر ہے۔

اخیر میں ایک فضیلت ازدواجی زندگی میں یہ بھی ہیکہ علیؑ حضرت فاطمہ کے علاوہ دوسری شادی کرتے ہیں اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کو بنی علی سے منسوب کرتے ہیں جبکہ فاطمہ سے پیدا ہونے والی اولاد کو بنی فاطمہ کے نام سے پکارتے ہیں یعنی فضیلت کو اپنی زوجہ فاطمہؑ کے نام سے منسوب کیا اپنے نام سے نہیں حالانکہ علیؑ خود مولائے کائنات تھے کم فضیلت وکمالات کے مالک نہیں تھے لیکن یہ سچ ہیکہ علیؑ حق شناس شوہر اور کامیاب ازدواجی زندگی کے رہنما ہیں۔

☆☆☆

حضرت علی علیہ السلام اور عدالت

حضرت علیؑ جہاں تمام خوبیوں کے مالک تھے وہیں اگر میدانِ جنگ میں آجائیں تو کیا کہنا ۔شجاعت میں ان کا کوئی مثل نہ تھا اور جب کرسی قضاوت پر ہوں تو کیا کہنا، فیصلہ اس طرح حل کیا کہ بیشتر افراد انگشت بدنداں ہو گئے۔ کتاب المرتضیٰ مصنفہ علامہ ابوالحسن ندوی مرحوم صفحہ ۱۷۶ پر یوں رقم طراز ہیں۔ ''ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ''لو لاعلی لھلک عمر'' اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ بہ زبان خلیفہ دوم حضرت عمرؓ اگر فیصلہ عادلانہ نہ ہو تو انسان کی ہلاکت کا سبب ہے اس طرح علیؑ نے مشکل سے مشکل مسئلہ کو عادلانہ انداز سے بخوبی حل فرمایا۔

دوسرے مقام پر مفکر اسلام حضرت ابوالحسن ندوی مرحوم کتاب المرتضیٰ صفحہ ۱۷۶ میں اس طرح رقم طراز ہیں۔ ''اقضاکم علی ''یعنی مشکل مسائل کے حل اور گتھیوں کے سلجھانے میں سب سے زیادہ قدرت رکھنے والے علیؑ ہیں۔

قضاوت، عدالت، انصاف پر علیؑ کے حکیمانہ ارشادات بھی کتابوں میں ملتے ہیں بلکہ کسی مسئلہ میں کوئی یہودی علیؑ کے مخالف پارٹی بن کر آیا۔ آپ بھی عدالت میں حاضر ہوئے قاضی نے اس یہودی کو اس کے نام سے پکارا اور علیؑ کو آپ کی کنیت کے ساتھ آواز دی۔ قاضی کا یہ انداز تخاطب جب علیؑ نے سنا فوراً آپ نے کہا تم کیا انصاف کرو گے جو مدعی اور مدعا علیہ کو پکارنے میں برابری نہیں رکھتے اس سے انصاف کی امید کیسی؟ معلوم ہوا انسان جب کرسی عدالت پر براجمان رہے تو دونوں افراد کو یا تو کنیت سے پکارے یا ناموں سے بلائے۔ بہر حال پکارنے میں بھی یکسانیت ہونا چاہیئے۔

قاضی کی نظر تمام باریک نکات کی جانب بھی متوجہ رہے۔

آپ علیؑ کی وسعت علمی پر ایک نظر دوڑائیں تو آج کی ریاضی، سائنس غرض کہ جتنے شعبہ علم ہم تصور کر سکتے ہیں سبھی شعبوں میں علم کے جوہر دکھلائے ہیں۔ رسالت مآب کی بہت مشہور و معروف حدیث بھی ہے انا مدینۃ العلم و علی بابھا۔ میں شہر علم ہوں اور علی اسکا دروازہ ہیں۔ تاریخوں میں جو قضیہ مرقوم ہیں انھیں دیکھنے پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جہاں علی کو سائنس، ساجیات، تاریخ و جغرافیہ پر مکمل عبور تھا وہیں قرآن کریم پر بھی مکمل دسترس حاصل تھی۔ مثال کے طور پر شیخ عزیز اللہ صاحب نے دوماہی قرطاس ناگپور نومبر دسمبر ۱۹۹۷ء کی حکایات صفحہ ۲۳۳ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں۔ ''حضرت علیؑ کے زمانے میں دو عورتوں کے یہاں بچہ پیدا ہوا۔ اندھیری رات تھی ایک عورت کے لڑکا پیدا ہوا اور دوسری عورت کے یہاں لڑکی۔ دونوں میں اس بات پر جھگڑا ہوا کہ ہر ایک کہتی تھی کہ لڑکا میرا ہے۔ آخر کار دونوں حضرت علیؑ کے پاس لائی گئیں۔ حضرت نے واقعہ سننے کے بعد فرمایا کہ یہ دونوں تھوڑا تھوڑا دودھ نکال کر دو برتنوں میں لائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آپ نے دونوں کے دودھ کو تولا ایک وزنی اترا۔ فرمایا جسکا دودھ وزنی ہے لڑکا اسی کا ہے۔ یہ فیصلہ سن کر لوگوں نے دریافت کیا کہ مسئلہ آپ نے کہاں سے نکالا فرمایا آیت للذکر مثل حظ الانثیین سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے مرد کو ہر چیز میں فضیلت دی ہے حتیٰ کہ غذا میں بھی پس میں نے اسی حقیقت کے پیش نظر کہا کہ لڑکے کی ماں کا دودھ وزنی ہے۔''

☆☆☆

حضرت علی علیہ السلام کی امتیازی زندگی

کیا کہنا حضرت علیؑ کا جنھوں نے ہم انسانوں کے لئے آئینِ زندگی دیا۔

علیؑ کون؟ وہ علیؑ جس نے عدل وانصاف کا پرچم لہرایا، ہر جانب حق کا بول بالا کیا۔

علیؑ کون؟ وہ علیؑ جس نے عام خلائق کے لئے ہمیشہ تعلیم وتربیت کو پیش نظر رکھا۔

علیؑ کون؟ وہ علیؑ جس نے عوام کی فلاح و بہبودی کے لیے نمایاں کام انجام دیئے۔

وہ علی جس نے معرفت الٰہی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی اور دین اسلام کی ہر موڑ پر پُر زور اعانت کی، وہ علیؑ جس نے برادرانہ محبت قائم رکھنے کے متعلق پوری پوری ہدایتیں پہونچائیں، وہ علیؑ جس نے خود محنت، مشقت کر کے لوگوں کو درس دیا، وہ علیؑ جس نے رہتی دنیا تک کے لیے درس مساوات دیا، وہ علیؑ جس نے تقسیم مال کے وقت رشتہ دار کو دوسروں سے افضل نہ جانا، وہ علیؑ جس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر وقت ہر موڑ پر اعانت فرمائی، وہ علیؑ جس نے مختلف مواقع پر اپنے گورنروں عمال کو بذریعہ خط غلط طریق کار سے روکا۔

ایک مرتبہ کسی شادی یا جشن میں عثمان بن حنیف جو کہ بصرہ کے گورنر تھے انہیں مدعو کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ بڑی شخصیت کے لئے دعوت میں کتنا اہتمام وانتظام کیا جاتا ہے تقریباً ہر شخص جانتا ہے کہ اکثر ایسے موقعوں پر محتاجوں، غریبوں، یتیموں اور کمزور ونحیف لوگوں کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اکثر ایسی تقریب ان لوگوں سے پر ہوتی ہے جو دنیاوی جاہ وحشم کے مالک ہوتے ہیں۔ ایسی پر تکلف تقریب میں عثمان ابن حنیف جو بصرہ کے گورنر تھے شریک تھے۔ حضرت علیؑ ان کی اس روش

سے مطلع ہو کر بغیر کوئی رعایت برتتے ہوئے انہیں عتاب آمیز خط لکھ کر تنبیہ کرتے ہیں:

''میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرو گے جن کے دروازے پر محتاج دھتکارے جاتے ہیں اور جن کے دسترخوان پر مالدار بلائے جاتے ہیں۔''

بالعموم ہمیں یہاں سبق حاصل کرنا چاہیئے اور بالخصوص انھیں جو رئیس قوم وملت ہیں جو کہ قوم کے رہبر ہیں کہ کیسی تقریب میں شرکت کرنی چاہیئے وہاں جہاں کہ غریبوں محتاجوں اور کمزوروں کو مدعو کیا گیا ہو نہ صرف وہاں کہ جہاں صرف مالداروں کو ہی مدعو کیا گیا ہو۔

ہمارے معاشرے میں بھی نہ جانے کہاں سے یہ رسم چلی آئی کہ ولیمہ ہو یا عقیقہ، ان میں زیادہ تر انہیں افراد کو دعوت دی جاتی ہے جن سے ہماری راہ ورسم ہو۔ غریبوں اور بے سہارا افراد کو مدعو نہیں کیا جاتا ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ انہیں مدعو کیا جائے جو حاجتمند ہوں اور جنھیں تازہ کھانا نصیب نہ ہوتا ہو۔

درج بالا خط سے حضرت علیؑ کا یہ عمل بتاتا ہے کہ ایک حاکم کو کس طرح رہنا چاہیئے اور ماتحتوں کی خبر گیری کس درجہ تک دھیان میں رکھنا چاہیئے بلکہ جاسوسوں کی طرح ان کی خبر گیری کرتے رہنا چاہیئے۔

ہماری حکومت کا عام چلن ہے کہ ہم نے جسے معین کیا اسے اپنی خواہشات، اپنی مرضی اور مقصد کے مطابق کام دیکھتے رہیں، تو بہت عمدہ ہے جہاں اس حاکم کی مرضی کے خلاف یعنی خواہشات نفسانیہ، اپنی مرضی ومقصد کے مطابق انجام نہ دیا اسے عدم اعتماد کی بنیاد پر برطرف کر دیا جائے گا۔ ذرا اس مزاج کے حاکم دیکھیں کہ حضرت عثمانؓ ابن حنیف کو عتاب آمیز خط لکھ کر تنبیہ کرتے ہیں کہ۔

''جن لوگوں کو تم کسی عہدہ پر متعین کرو ان پر جاسوسوں اور ناشناختہ افراد کے

ذریعہ نگاہ رکھو تاکہ اس بات کی تحقیق کریں کہ متعین افراد نے اپنے فرائض صحیح
طریقے سے انجام دیا یا نہیں، لوگ ان سے راضی ہیں یا ناخوش۔"

یہ ایک نہایت ضروری کام ہے جسے خود حضرتؑ نے انجام دیا ہے عثمانؓ ابن حنیف کے خط میں حضرتؑ ارشاد فرماتے ہیں:

"کوئی بھی معاشرہ بغیر رہبر کے نہیں رہ سکتا۔ ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ یا تو وہ خود احکام خدا سے واقف ہو اور دستورات خدا کو جانتا ہو اور اگر خود واقف نہیں ہے تو ایک ایسے رہبر کی تلاش کرکے اس کی پیروی کرے۔"

حقیقت میں حضرتؑ نے تمام انسانوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا، یہ کہ انسان امام ہے یا ماموم۔ چونکہ امام کے ذمہ ہدایت و رہبری ہوتی ہے اس لیے خود وہ اسلامی مسائل سے آگاہ اور واقف ہوتا ہے اور دوسرا ماموم یعنی جس میں رہبری و پیشوائی کی لیاقت و قابلیت نہ ہو اسے کسی امام کی تلاش میں رہنا چاہیئے۔ حضرت سید الشہداءؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"تمام امور کا نظام ان ہاتھوں میں ہونا چاہیئے جو خدا کی معرفت رکھتے ہوں اور حرام و حلال خدا کے امین ہوں۔"

حضرت علیؑ ایک جگہ اسی خط میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"میں اپنے لیے اس بات کو کافی سمجھوں کہ لوگ مجھے امیر المومنین کہیں اور میں مومنین اور قوم و ملت کے ساتھ ساتھ ان کے دنیاوی امور کی دشواریوں اور مصیبتوں میں ان کا شریک نہ رہوں۔"

یہاں حضرتؑ کا مقصد ہے کہ اگر کوئی شخص قوم و ملت کا رہبر ہو، صدر جمہوریہ ہو، رئیس قوم

و ملت ہو یا مرجع تقلید یا حاکم شرع کہلاتا ہو غرضیکہ وہ کسی اعتبار سے قوم کی رہبری کرتا ہو تو مصیبت اور دشواریوں کے وقت اپنی قوم کا شریک ہونا چاہئے۔ مشہور قول ہے کہ قوم کا خادم قوم کا سردار ہوتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر کمزور اور پسماندہ افراد کے معیار زندگی کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ حضرت دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"خداوند عالم نے عادل اماموں اور رہبروں پر واجب قرار دیا ہے کہ اپنی زندگی کے معیار کو کمزور ترین افراد کے معیار کے مطابق رکھیں، قوم کے معیار کے مطابق زندگی گزاریں تاکہ غرباء جو زندگی گزار رہے ہیں اپنے فقر و غربت سے رنجیدہ نہ ہوں۔ اسکے معنی یہ ہرگز نہیں کہ غریبی و فقیری کو مستقل اور مستحکم کیا جائے بلکہ حتی المقدور غریبی اور فقیری کو دور کرنے کی سعی و کوشش کی جائے اگر غریبی و فقیری جیسے حالات ہوں تو سرمایہ دار افراد اپنی زندگی کا معیار گھٹا کر نچلے طبقے والوں کے برابر لے آئیں تاکہ قوم میں موجود نقائص اور کمیوں کو دور کرنے میں مدد ملے۔"

نہج البلاغہ میں حضرتؑ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"سب سے بُرا امیر یا والی وہ ہے جو رعایا اور عوام الناس کے سامنے فخر و تکبر کرے اور اپنی مدح و ثنا کو زیادہ پسند کرے اور حقیقت امر یہ ہے کہ میں اسکو پسند نہیں کرتا کہ تمہارے دل میں یہ گمان ہو کہ میں اپنی مدح و ثنا کو پسند کرتا ہوں۔
تمام تعریف کا مستحق وہی خدا ہے اور تمام فخر و تکبر اسی کے شایان شان ہے۔"

خدا ہمیں تعلیمات امام پر عمل کرنے کی توفیق زیادہ سے زیادہ عطا فرمائے اور فخر و تکبر و حسد سے محفوظ رکھ۔

حضرت فاطمہؑ زہراؑ: خواتین کیلئے نمونہ عمل ہیں

عصر جاہلیت میں عورت کا کوئی خاص و اہم مقام نہ تھا بلکہ اس کی پیدائش کو انسان اپنے لئے ننگ و عار سمجھتا۔ سماج اور معاشرے میں اپنا چہرہ دکھانے کے لائق نہیں سمجھتا بلکہ عورت کی پیدائش کو بدبختی اور لائق عذاب سمجھتا اس کے برعکس جب لڑکا پیدا ہوتا تو اپنا سر سماج میں غرور سے اونچا کیے ہوئے خوشی کے نقارے ادھر ادھر بجاتا پھرتا۔ گویا صنف نازک کی پیدائش ایک علامت بدبختی اور لڑکے کی پیدائش اپنے لئے نیک بختی کی علامت سمجھا جانے لگا تھا۔ اتنا ہی نہیں عورت کو صرف سامان تجارت کے لئے ہی استعمال کرتے۔ حد ہوگئی کہ ایسے افراد بھی تھے کہ اس صنف نازک کو کوئی انسان قبول کرنے کو تیار نہیں ایسے پُر آشوب زمانے میں کوئی کیا صنف نازک کے فضائل و کرامات کو برداشت کرتا۔ اتنا ہی نہیں اسے ہمیشہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر صرف مردوں کی خدمت گزار ہونے کا شرف ملتا رہا اور اسے شہوت بجھانے کا ذریعہ ہی سمجھا جاتا رہا۔ لیکن آج کل کے مہذب دنیا میں فرق نہیں ہے۔ وہ بھی صنف نازک کو اسی آئینے میں دیکھ رہی ہے جس نظریات وخیالات کا حامل عرب جاہل تھا۔ سائنس کا دوردورہ ہونے کے باوجود بازار میں فروخت ہونے والی ہر سستی مہنگی چیز پر عورت کی تصویر نظر آتی ہے جو اس کے بے قیمت ہونے کا اشتہار ہے۔ ٹی وی نیم عریاں بدن دکھا کے ذریعۂ معاش بنا ہوا ہے۔ فلموں میں صنف نازک کو صرف عشق ومحبت کی حد تک ہی رکھا گیا ہے۔ عالمی ذرائع ابلاغ واخبارات ورسائل خود اس کے عینی گواہ ہیں۔ تقریباً ہر زمانے میں بلا قید جغرافیائی حدود کے تنگ نظر مردوں نے خود کو اشرف المخلوقات جانا ہے اور صنف نازک کی توہین میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عورت ہی وہ شئے ہے جس نے اس انسان کو جنم دیا جسکے بغیر اس

دنیا میں وہ قدم ہی نہیں رکھ سکتا۔

القصہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام، رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکلوتی اور چہیتی صاحبزادی کا نام ہے جن کا وجود مبارک اس دنیا میں اس وقت ہوا جب کہ لوگ پیغمبر اسلام کو ابتر کا طعنہ دے رہے تھے تب خدائے مہربان ورحیم نے انھیں کوثر عطا کیا بہ شکل فاطمہ زہراؑ۔

ارشاد ربانی قرآن کریم میں ہے کہ: **ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** ''بے شک اللہ کا رسول تمھارے لئے بہترین اسوہ حسنہ ہے اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی فاطمہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: **فاطمہ بضعۃ منی.** فاطمہ میرا ہی جزو بدن ہے لہٰذا حدیث پیغمبرؐ سے فاطمہ تمام عورتوں کے لئے نمونہ قرار پائی ہیں۔ جس طرح رسولؐ تمام عالم انسانیت کے لئے نمونہ عمل ہیں۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انسان دوسروں کے طرز و انداز، رفتار و گفتار اور کردار سے متاثر ہوتا ہے بلکہ اسی کردار میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ یہ سچائی بھی ہے جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ ماں باپ جن امور کو انجام دیتے ہیں بچہ وہی انجام دیتا ہے اور یہ باتیں خاص طور سے عورتوں میں زیادہ اس وجہ سے پائی جاتی ہے کہ وہ جذباتی ہوتی ہیں اور جلد متاثر بھی ہو جاتی ہیں۔ نیز تمام عالمی عورتوں کے لئے یہ بات قابل فخر کیوں نہ رہے کہ ان کی سردار وہ باعظمت خاتونِ جنت ہیں جنکی تعظیم خود سرکار رسالت فرماتے تھے بلکہ جس وقت جناب سیدہ سرکار دوعالم کے یہاں تشریف لاتیں اس وقت پیغمبر اسلام ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوجاتے اور رسول جس وقت سفر میں باہر تشریف لے جاتے سب سے آخر میں خانہ سیدہ میں حاضر ہوتے اور واپسی میں سب سے

پہلے خانہ سیدہ پر حاضر ہوتے اور سلام کرتے۔

یقیناً تمام عالم نسواں کے لئے جناب فاطمہ زہراؑ کی پاکیزہ زندگی کیوں نمونہ عمل نہ بنے، اس واسطے کہ چاہے آپ کا بچپن کا زمانہ ہو یا جوانی کا، چاہے خوشی ہو یا غمی کا موقع، چاہے آپکی سیرت طیبہ بحیثیت لڑکی، اطاعت گزار بیوی اور شفیق ماں کے ہو، بیشک آپ نے بہترین نمایاں کردار پیش کیا ہے۔ دراصل آپ کی تمام سیرت قابل تاسی ہے۔ حیات زہراؑ کے چند نمونے قابل ذکر ہیں جو تمام صنف نسواں کے لئے مشعل راہ ہیں۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کی ماں خدیجۃ الکبریٰ جسے زمانہ ملیکۃ العرب کہہ کر پکارتا لیکن کبھی آپ نے راحت و آرام نیز زیب و زینت کو پسند نہ فرمایا بلکہ سادہ زندگی گزارنا ہی پسند فرمایا۔ آپ کی یہ سادہ زندگی فقر و تنگدستی پر مبنی نہ تھی بلکہ آپ کی سیرت چونکہ قیامت تک کے لئے تمام بنی نوع انسان کے لئے اسوۂ حسنہ قرار پانے والی تھی گویا تمام خواتین کو یہ درس دے رہی ہیں کہ سادہ زندگی گزارنے ہی میں عافیت ہے گویا غریب عورتوں کی زندگی کا بھرم رکھ لیا۔

اسی طرح باپ رسول اعظمؐ مختار کائنات ہونے کے باوجود کبھی باپ کے رشتہ کا فائدہ نہ اٹھایا بلکہ ہر طرح کی زحمت و مصیبت و صعوبت برداشت کرتی رہیں کیونکہ فاطمہ پروردۂ آغوش نبوت تھیں ورنہ آجکل کے عہدیداروں کے بچے اپنے باپ کے عہدہ کا فائدہ اٹھاتے اور غلط امور انجام دیتے ہیں

جس وقت جناب فاطمہ زہراؑ شوہر کے گھر گئیں وہ طبقۂ نسواں کے لئے ایک مثالی حیثیت بن گئیں گھر کے تمام امور خود انجام دیتیں، جھاڑو دینا، کھانا پکانا، چرخہ کاتنا، چکی پیسنا اور بچوں کی تربیت کرنا یہ تمام امور خود ہی بخوشی انجام دیا کرتیں لیکن کبھی ماتھے پر بل نہ آیا اور نہ ہی کبھی اپنے شوہر امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے خادمہ کی فرمائش کی، سیدہ تمام عالمی خواتین سے خطاب

فرمارہی ہیں کہ بہترین بیوی وہی ہو سکتی ہے جو اپنے شوہر کا ہر لحہ پورا پورا خیال رکھے اور تمام امور خانہ کو بہتر طریقہ سے انجام دے ہاں اگر بیوی کے ساتھ خادمہ کا تعاون مل جائے تو بھی اسے گھر کی ایک فریق سمجھ کر بہترین برتاؤ کرنا چاہیے جس طرح جناب سیدہ نے فضہ کے ساتھ کیا۔

طلاق ہونے کی جو وجہیں ہمارے سامنے اخبارات و رسائل کے ذریعہ پہنچتی ہیں اسمیں یہ بھی ایک ہے کہ بہت سی عورتوں کا حسن سلوک بھی ان کے شوہروں کے ساتھ اچھا نہیں رہا ہے جبکہ حدیثوں سے ثابت ہیکہ عورت کا بہترین جہاد اپنے شوہر کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ فاطمہ کا حسن سلوک اپنے شوہر کے ساتھ اتنا بہتر تھا کہ انکی حیات طیبہ میں علیؑ نے کبھی دوسری شادی کی خواہش نہیں کی فاطمہ صنف نسواں کو درس دے رہی ہیں کہ عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ حسن سلوک و خوش اخلاقی کا مظاہرہ کریں جس سے انکی خوشگوار اور پرمسرت زندگی گذرے۔

سیرت کا یہ بھی ایک اہم پہلو ہیکہ فاطمہؑ کے اپنی ساس فاطمہ بنت اسد کے ساتھ بہترین تعلقات رہے تاریخ نے کسی بھی کشیدگی کا تذکرہ نہیں کیا ہے جیسا کہ ہمارے معاشرے میں ساس بہو کے بارے میں کشیدگی و ناچاقی کے واقعات اکثر سننے میں آتے ہیں۔

آجکل عام طور سے صنف نسواں کی جانب سے بے حجابی جو دیکھنے کو ملتی ہے وہ افسوس ناک ہے دراصل پردہ کی خاص حکمت یہ ہیکہ عورت و مرد دونوں بدکرداری و بدنفسی سے دور رہیں عموماً لوگ پردہ صرف یہی سمجھتے ہیں کہ چہرے پر کسی کپڑے کو ڈال لیا جائے بلکہ حکمت خاص یہ مطالبہ کررہی ہے کہ مرد و عورت دونوں اپنے آپ میں حیا و غیرت کا پردہ رکھیں حالانکہ پردہ انسانی ترقی میں رکاوٹ نہیں ہے بلکہ تمام اسلامی آداب کے ساتھ پردہ میں بہترین ترقی کی جاسکتی ہے اسلامی حجاب پہنے جمہوریہ اسلامی ایران میں خواتین ثقافتی، علمی و معاشی میدان میں روبہ ترقی ہیں۔ فرمان سیدہؑ ہے کہ

عورت کی معراج اور زیور پردہ کا اہتمام کرتا ہے۔ ایک مرتبہ پیغمبرؐ اسلام نے سوال فرمایا کہ عورت کیلئے بہترین شئے کیا ہے جناب سیدہؑ نے جواب مرحمت فرمایا کہ عورت کیلئے سب سے بہتر یہ ھیکہ نہ اسکی نظر غیر مرد پر پڑے اور نہ کسی غیر مرد کی نظر اس پر پڑے"۔ گویا عورت آج بھی اپنے کھوئے ہوئے وقار وعزت کو پاسکتی ہے سیرت زہراؑ کی تاسی میں۔

تمام عالمی خواتین کیلئے جہاں معصومہ کونین کی مختلف سیرتیں قابل تقلید ہیں وہیں ایک فضیلت وکمال یہ بھی ھیکہ بچوں کی پرورش ونگہداشت کو بھی بحسن وخوبی انجام دے۔ یہ وہ باصفت ذات تھی جو خود وحی الٰہی کی تربیت یافتہ تھیں لہٰذا وہ یہ جانتی تھیں کہ حسنؑ وحسینؑ دونوں صاحبزادے اس تربیت کے محتاج نہیں جو دنیا کے عام بچے ہوا کرتے ہیں پھر بھی امت کو تعلیم وتربیت کا سلیقہ سکھانے کے لئے ظاہری طور پر اپنے بچوں کو تعلیم وتربیت دیتی ہوئی نظر آتی ہیں، آپ نے ان دو اماموں کی پرورش فرمائی جو اسلام کے لئے کام آئے۔ بچوں کی تربیت میں ایک خاص اہتمام یہ بھی فرمایا کہ وقت نزع بھی بچوں کی نگہداشت سے غافل نہیں رہیں۔

دنیا پر ظاہر ھے کہ امام حسینؑ جیسی عظیم شخصیت نے حفاظت اسلام میں اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان کو راہ خدا میں پیش کر کے دین کو سرخرو کیا نیز ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ظلم وجبر کے طاغوتی دیوتاؤں کو نیست ونابود کر دیا آج نام حسینؑ زندہ ہے اور نام یزید قابل دشنام ہو گیا۔ اتنا ہی نہیں اپنی بچیوں زینبؑ وکلثومؑ کی بھی تربیت ونگہداشت اس طرح فرمائی جو بعد قتل حسینؑ دین اسلام اور قربانی حسینؑ اور مقصد حسینؑ کو زندہ رکھنے میں ممد ومعاون ثابت ہوئیں۔ جناب زینب نے دربار کوفہ وشام میں اسلامی مقاصد کو اپنے خطبات کے ذریعے اجاگر کیا نیز ظلم وجبر کے پیکر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا گویا تمام صنف نسواں کو یہ پیغام دے رہی ہیں کہ عورت گھر کی چہار دیواری میں بھی وہ کارنامۂ حیات انجام

دے سکتی ہے۔ ماں کی آغوش ہی سے بچہ صاحب کمال وفضیلت اور بہترین کردار کا مالک ہو سکتا ہے۔ ماں کی آغوش ہی سے بچہ شداد ونمرود ویزید صفت ہو سکتا ہے لہٰذا خواتین کی ذمہ داری بچہ کی تربیت میں اور زیادہ بڑھی نظر آتی ہے۔

ہاں اگر ہمارے سامنے معصومہ کی سیرت نہ ہوتی تو عام خواتین خدا سے یہ اعتراض کر بیٹھتی کہ ہمارے لئے کوئی رہبر نہیں لہٰذا خدا نے عورتوں کو اس اعتراض کا موقع ہی نہ دیا۔ سرکار رسالت کا جزو قرار دیکر تمام عالم کی عورتوں کے لئے بہترین نمونہ عمل قرار دیا گویا سیرت زہراؑ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اپنی خوشگوار اور بہتر زندگی گزار سکتی ہیں اور اپنے قلوب کو منور کر سکتی ہیں۔

☆☆☆

مثالی سیرت......امام حسن علیہ السلام

حضرت امام حسن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس محتاج تعارف نہیں ہے محتاج تعارف ہم ہیں لیکن یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ اس مقدس ذات گرامی کے فضائل وکرامات کے رقم کرنے میں ہمارا قلم کا استعمال ہوا ہے۔ حضرت امام حسنؑ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ملیکۃ العرب محسنۂ اسلام حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے حقیقی نواسے، مولای متقیان حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام اور سیدۂ نساء عالمین خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کے فرزند اکبر، شہید کربلا حضرت امام حسینؑ اور جناب زینب وام کلثوم کے حقیقی بڑے بھائی ہیں جو ۱۵ ررمضان المبارک ۳ھ کی شب میں بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے۔

حضرت رسالتمآبؐ کے زیادہ تر ارشادات دونوں شاہزادوں کے بارے میں مشترک ملتے ہیں۔ جیسے حسنؑ وحسینؑ دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ یہ دونوں (حسنؑ وحسینؑ) امام ہیں چاہے بیٹھے رہیں چاہے کھڑے رہیں یعنی صلح کریں یا جنگ کریں بہرکیف اس کے علاوہ بیشتر واقعات میں بہ نفس نفیس امام حسنؑ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں کہ امام حسنؑ کمسنی کے عالم میں اپنے نانا پر نازل ہونے والی وحی کو اپنی والدہ ماجدہ سے من وعن بیان کردیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت علیؑ نے بھی خواہش ظاہر کی اور فرمایا اے بنت رسول میرا دل بھی چاہتا ہے کہ میں حسن کو وحی کی ترجمانی کرتے ہوئے دیکھوں اور سنوں۔ سیدہ عالیہ نے وقت مقرر کیا چنانچہ مقررہ وقت سے پہلے ہی امیر المومنینؑ بیت الشرف میں تشریف لائے

اور ایک گوشے میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ حسب معمول امام حسنؑ گھر میں داخل ہوئے اور ماں کی گود میں بیٹھ کر وحی سنانے لگے لیکن چند ہی لمحوں بعد آپ چپ ہوگئے ماں نے خاموشی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے مادرِ گرامی! آج نہ جانے کیوں زبان میں لکنت اور بیان میں رکاوٹ پیدا ہورہی ہے ایسا لگتا ہے کہ بابا جان مجھے دیکھ رہے ہیں۔ امیر المومنینؑ نے جب یہ سنا تو دوڑ کر امام حسن کو گود میں اٹھالیا اور بے ساختہ پیار کرنے لگے۔

امام حسنؑ کا ایک علمی نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ شاہ روم کا فرستادہ ایک مرتبہ کچھ سوالوں کے ساتھ معاویہ کے دربار میں آیا جب وہ جواب دینے سے قاصر رہا تو اسے خفیہ طور پر امیر المومنین حضرت علیؑ کے پاس بھیج دیا وہ حاضر خدمت ہوا اور اس نے کہا کہ آپ علم نبوت کے وارث ہیں یہ بتائیے کہ:

(۱) حق وباطل میں کتنا فاصلہ ہے؟ (۲) زمین وآسمان تک کتنی مسافت ہے؟

(۳) مشرق ومغرب میں کتنی دوری ہے؟ (۴) قوسِ قزح کیا چیز ہے؟

(۵) مخنث کسے کہتے ہیں؟ (۶) اور وہ دس چیزیں کون سی جن کو خدا نے ایک دوسرے پر فوقیت دی ہے؟

آپ نے سوالات سنے تو مسکرائے اور فرمایا کہ ان سوالوں کے جوابات میرے دونوں بچوں حسن اور حسین میں سے کسی ایک سے پوچھ لے وہ امام حسن کی طرف متوجہ ہوا جو اپنے بھائی حسین کے ساتھ امیر المومنینؑ کی آغوش میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا حق وباطل میں بس اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ کان اور آنکھ کے درمیان ہے۔ اے شخص آنکھ سے دیکھا ہوا حق ہے اور یقینی ہے جب کہ کان سے سنا ہوا باطل ومحتاج تحقیق ہے۔ زمین وآسمان کے درمیان اس قدر دوری ہے کہ مظلوم کی آہ وہاں تک پہنچ

جاتی ہے۔مشرق ومغرب میں اتنا فاصلہ ہے کہ سورج ایک دن میں اسے طے کرلیتا ہے۔قوسِ قزح اس کا ظاہر ہونا فراوانیِ رزق اور اہلِ زمین کے لئے سکون وامان کی علامت ہے اگر یہ خشک موسم میں نمودار ہوتی ہے تو بارش کا پیش خیمہ سمجھی جاتی ہے۔اور بارش کے ایام میں نکلتی ہے تو ختمِ باراں کی علامت شمار کی جاتی ہے۔مخنث وہ ہے کہ جس کے متعلق یہ نہ معلوم ہو کہ وہ مرد ہے یا عورت؟ اس کے جسم میں دونوں اعضاء ہوں۔اور وہ دس چیزیں جنھیں ایک دوسرے پر فوقیت ہے یہ ہیں کہ پتھر ایک سخت ترین شئے ہے مگر اس سے زیادہ سخت لوہا ہے جو پتھر کو کاٹ دیتا ہے۔لوہے سے زیادہ سخت آگ ہے جو اسے پگھلا دیتی ہے۔آگ سے زیادہ سخت پانی ہے جو اسے بجھا دیتا ہے۔پانی سے زیادہ سخت ابر ہے جو اسے اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھرتا ہے۔اس سے زیادہ سخت ہوا ہے جو ایک جھٹکے میں ابر کو اڑا لے جاتی ہے۔ہوا سے زیادہ سخت وہ فرشتہ ہے جس کی وہ محکوم ہے۔اس سے زیادہ سخت ملک الموت ہے جو ہوا کے فرشتے کی بھی روح قبض کرے گا۔ملک الموت سے سخت ”موت“ ہے جو ملک الموت کو بھی نہ چھوڑے گی اور موت سے زیادہ سخت حکمِ خدا ہے جو اسے جب چاہتا ہے ٹال دیتا ہے۔

یہ سن کر سائل حیرت زدہ رہ گیا اور اس نے کہا پروردگار جس گھر کے بچے ایسے ہیں اس گھر کے بزرگوں کی منزلت کو بس تو ہی سمجھ سکتا ہے۔

علماء کرام سیرت اہلبیتؑ طاہرین بیان بھی کرتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں۔مشکل مرحلہ یہ ہے کہ یہ پاک سیرتیں معاشرے کا جزو نہیں بن پا رہی ہیں جسکی وجہ سے معاشرہ بگڑتا جا رہا ہے۔ہمیں سیرتِ آلِ محمدﷺ کی روشنی میں عملی پہلو کو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمیں ولادتِ امام حسنؑ کے موقع پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے مولا وآقا نے کس بلند پایہ اخلاق کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو جیتا، دشمن کو اپنایا۔ایک مرتبہ آپؑ گزر رہے تھے کہ مرد

شامی آیا اور آپ کو لگاتار گالیاں دینا شروع کر دیا۔بہت بُرا بھلا کہا لیکن حضرت نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔جب وہ شامی گالیاں دینے سے فارغ ہوا تو اس وقت آپ نے اس کی طرف رخ کیا اور دریافت کیا کہ معلوم ہوتا ہے تم مسافر ہو تو میرا مکان حاضر ہے۔اگر بھوکے ہو تو تمہیں سیر کرا دیں گے اور اگر محتاجِ لباس ہو تو تمہیں لباس مہیا کرا دیں۔غرض تمہاری کوئی حاجت ہو تو بیان کرو اسکو بھی پورا کر دیں گے جب اس مردِ شامی نے آپ سے یہ مشفقانہ اور ہمدردانہ کلام سنا تب مولا سے فرمانے لگا اب سے پہلے تک آپ میرے سخت ترین دشمن تھے لیکن اب میرے بہتر اور سچے دوست ہیں۔کیوں نہ ہو۔میرے مولا نباضِ انسانیت تھے آنے والے کی تمام کمزوریوں سے واقف تھے صحیح تشخیص مرض یہ ہے کہ انسانیت کا علاج کیا جائے مولا نے دشمنِ جانی کو دوست جان میں بدل دیا۔

معاشرہ میں بدلاؤ لانے کے لئے بے مکانوں کو مکان کا انتظام کرنا۔تعلیم وتربیت کا مناسب اور معقول انتظام کرنا،بے سہارا افراد کو سہارا دینا ہے۔

رب کریم۔ہمیں سیرت امام حسنؑ پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔آمین ثم آمین۔

☆☆☆

عظمتِ امام حسین علیہ السلام

وَلَا تحسبنَّ الذین قتلوا فی سبیل الله امواتًا بل احیاءٌ عِند رَبِّهِم یرزقون ۔

(سورہ آل عمران:۱۶۸)

"جولوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں انھیں مردہ نہ گمان کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے حضور میں روزی پارہے ہیں۔"

قرآن مجید کی اس آیت سے شہیدانِ راہ خدا کی عظمت کا علم ہوتا ہے۔ حکم دیا جارہا ہے کہ انھیں مردہ نہ شمار کرو بلکہ اللہ کی بارگاہ سے روزی حاصل کررہے ہیں۔

عظمتِ حسین علیہ السلام بزبانِ فرمان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

۱۔ حُسَیْنٌ مِنّی وَ انَا مِن حُسَیْن، اَحَبَّ الله مَنْ اَحبَّ حُسیناً ، حُسَینٌ سِبطٌ مِنَ الاَسْبَاط یعنی حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے جو حسین کو دوست رکھتا ہے۔ حسین فرزندوں میں سے ایک فرزند ہے (سنن ابن ماجہ، جلد:۱)(ینابیع المودۃ۔ ص:۵۰۰)

۲۔ احمد، ابن ماجہ اور حاکم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے ان دونوں (حسن وحسین علیہم السلام) کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا۔ جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ (ینابیع المودۃ۔ ص:۵۰۰)

۳۔ الحسن و الحسین سیدا شباب اَهل الجنة ۔ حسن اور حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔

۴۔ طبرانی نے واثلہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام، فاطمۃ الزہراؑ حسن اور حسین کے حق میں اس طرح دعا فرمائی ہے۔

خدایا تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر درود وصلواۃ، رحمت، مغفرت اور اپنی رضا وخوشنودی قرار دی۔ بار الہٰا

ہی لوگ یعنی علی علیہ السلام، فاطمۃ الزہراؑ حسن اور حسین جو مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ اس لئے درود وصلوٰۃ، رحمت، بخشش اور اپنی رضا وخوشنودی مجھ پر اور ان پر قرار دے (کنز العمال۔ جلد:۶)

مقصدِ امام حسین علیہ السلام:

انّی لما اخرج اشرا و بطرا ولا مفسدا ولا ظالما و انّما خرجت لطلب الاصلاح فی امّة جدّی اریدان امر بالمعروف و انهیٰ عن المنکر و اسیر بسیرة جدّی و ابی علی ابن ابی طالب فمن قبلنی بقبول الحق فاللّٰه اولیٰ بالحقّ و من ردّ علیّ هذا اصبر حتّیٰ یقضی اللّٰه بینی و بین القوم و هو خیر الحاکمین .

نہ میں جاہ طلبی اور خود خواہی کے لئے وطن چھوڑ رہا ہوں اور نہ ہی شر وفساد اور ظلم وستم کی خاطر، بلکہ اس سفر سے میرا مقصد یہ ہے کہ امت پیغمبر کی اصلاح کروں، لوگوں کو اچھائی کی دعوت دوں اور برائی سے روکوں، میں اپنے جد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بابا علی مرتضیٰ علیہ السلام کی سنّت وسیرت کو زندہ کرنا چاہتا ہوں۔ جس کسی نے اس حقیقت کو قبول کرتے ہوئے میری پیروی کی تو خدا حق کا زیادہ سزاوار ہے اور اگر کسی نے مجھ سے انحراف کیا تو میں صبر وشکیبائی سے اپنی راہ کی طرف بڑھتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ خدا ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے، کیونکہ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

ان الحسین مصباح الهدیٰ و سفینة النجاة ۔

یعنی امام حسین علیہ السلام چراغِ ہدایت اور کشتی نجات ہیں۔

روز عاشورہ کے دلدوز واقعات امتیاز حق و باطل کے لئے بہترین علامت ہے اور دنیا کا یہ عام دستور ہے کہ دوست کی خوشی میں خوش رہنا اور حالات جب غمگین ہو تو شریک غم رہنا ہی حقیقی دوستی شمار کی جاتی ہے یہی سبب ہے کہ روز عاشورہ سارا عالم انسانیت محسنِ انسانیت حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے اپنے انداز میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب باوفا

واقعۂ کربلا کی یادگار اپنے تو بہر حال مناتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت واقعی ہے کہ جن کا مذہب اسلام نہیں ہے وہ بھی واقعۂ کربلا کی یادگار اپنے اپنے طریقوں سے مناتے ہیں۔ ہندوستان ملک گواہ ہے کہ بیشتر افراد اپنی پوری عقیدت واحترام کے ساتھ غم حسینؑ مناتے ہیں۔ امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں بھلے افراد کی تعداد قلیل تھی لیکن سبھی سن وسال کے افراد ساتھ میں تھے۔ مقصدیت سن و سال کی پابند نہیں ہوتی۔ مقصد بہرحال مقصد ہوتا ہے اور وہ بھی مقصد اختیاری ہونا کمال ہے مجبوراً کسی نیک فعل کا واقع ہونا قابل تعریف نہیں۔ ششماہے مجاہد علی اصغر کا خود کو جھولے میں منقلب ہونا ناصران حسین میں خود کو شمار کروانا ہے۔ یہ عمل علی اصغرؑ کا بے مثل کارنامہ ہے اسی طرح امام حسینؑ کے ساتھ جو اصحاب تھے وہ بھی باوفا تھے۔ مختلف قوم وقبیلے کے افراد اصحاب حسین کے ساتھ جمع ہیں مگر سبھی اصحاب کا مقصد حسینؑ کے ساتھ متحد رہنا یہ کمال تھا اصحاب حسین کا۔ ایسے باوفا صحابیانِ کرام کو ہمارا اسلام ہو جنھوں نے اپنی جان عزیز کو انسانیت اور محافظ ور ہبر انسانیت امام حسین کے لئے قربان کر دیا۔

ہم ان اصحاب کو باوفا کیوں نہ کہیں جنھیں حسین نے باوفا ہونے کی سند عطا کی۔ سند کسی کمتر کی نہیں ہے بلکہ یہ قسیم جنت ونار کے چھوٹے صاحبزادے جوانانِ جنت کے سردار حضرت حسینؑ نے سند عطا کی ہے گویا حسینؑ اعلان فرمارہے ہیں واللہ انیّ لا اعلم اصحاباً اوفیٰ من اصحابی۔ خدا کی قسم میرے علم میں میرے اصحاب سے زیادہ وفادار کسی کے اصحاب نہیں ہیں۔ امام حسینؑ کے نزدیک نیک کردار صحابہ کی عظمت ہے۔

ایک مقام پر امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو جمع کر کے ان سے فرمایا:

''میں خداوند تعالیٰ کی بہترین مدح کرتا ہوں ہر مصیبت وراحت میں اسی کی تعریف کرتا ہوں۔ میں نے تم سے زیادہ صابر، باوفا اور نیک لوگ نہیں دیکھے خداوند تعالیٰ تم لوگوں کو بہترین جزا دے۔'' (مقتل ابی مخنف وقیام مختار: ص۲۷)

ابوثمامہ صیداوی اور سعید بن عبداللہ اوّل وقت نماز شناس صحابی ہیں۔ روز عاشورہ دشمن کے لشکر سے آنیوالے تیروں کو اپنے سینے پر روک کر نماز جماعت ادا کروائی۔ امامؑ کی نماز ادا ہو جانے کے بعد سعید بن عبداللہ امامؑ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ: ''اوفیتُ یا بن رسولؐ الله '' کیا میں نے وعدہ وفا کیا۔؟ امامؑ نے جواب دیا: ''نعم ! انت اَمَامِی فی الجنة ، ہاں! تم نے ذمہ داری نبھائی اور جنت میں آگے آگے رہو گے۔

تاریخ گواہ رہی کہ اصحاب امام حسینؑ نے ہر لمحہ اپنی وفاداری کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اے خدا ہمیں ان باوفا صحابیوں کی سیرت پر زندگی گزارنے کی توفیق کرامت فرما۔ آمین

☆☆☆

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور عبادت

وما خلقت الجن و الانس الّا لیعبدون۔

''اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر عبادت کی خاطر۔'' (سورہ ذاریات ۵۶)

جنوں اور انسانوں کے پیدا کرنے کا مقصد خالق حقیقی کی عبادت اور اس کے علاوہ کسی ذات کی عبادت نہ کرنا ہے۔ اب اگر کوئی انسان عبادت نہ بجالائے یہ حضرت انسان کا اپنا قصور ہے درحقیقت وہی انسان انسان کہلانے کے قابل ہے جو عبادت الٰہی بجالائے اور ہم جب نماز ادا کرتے ہیں تو حالت قیام میں سورۂ حمد کی تلاوت کرتے وقت اعتراف بھی کرتے ہیں ایاک نعبدو ایاک نستعین ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ عبادت کیسے کی جائے، کیا اہتمام برتا جائے، کس طرح کی جائے اس کیلئے ہمیں سید الساجدین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی سیرت کا مطالعہ کرنا ازحد ضروری ہے۔

زین العابدینؑ کے لقب کے بارے میں علماء کا بیان ہے کہ ایک شب آپ نماز تہجد میں مشغول تھے کہ شیطان اژدہے کے بھیس میں سامنے آیا اور اس نے امام علیہ السلام کے پائے مبارک کا انگوٹھا منہ میں رکھ کر اسے چبانا شروع کیا لیکن حضرتؑ کے رجحان عبادت کو منتشر نہ کرسکا یہاں تک کہ جب نماز تمام ہوئی تو آپ نے اس ملعون کے منہ پر طمانچہ جڑ دیا اور لعنت کے عصا سے اسے دور ہٹا دیا۔ اس وقت ہاتف غیبی نے تین بار انت زین العابدین کی صدا دی کہ بیشک آپ ہی عبادت گزاروں کی زینت ہیں اسی وقت سے حضرتؑ کا لقب زین العابدینؑ ہوا۔ تفسیر اسلام ص۴۵ گویا

آواز قدرت علی ثانی کیلئے وہی انداز اختیار کئے ہوئے ہے جو علی اول کے لئے کہ لافتیٰ الاّ علی۔

کتاب عین الحیوٰۃ میں صاحب حلیہ الاولیاء نے روایت کی ہے کہ جب سید الساجدین حضرت امام زین العابدینؑ نماز کے لئے وضو کا ارادہ کرتے تو آپ کے بدن میں کپکپی اور اعضاء و جوارح میں لرزہ پیدا ہو جاتا۔ جب آپ سے اس کے متعلق سوال کرتے تو فرماتے:

''وائے ہو تم پر! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں کس پروردگار
کی بارگاہ میں کھڑا ہو رہا ہوں اور کس عظیم الشان ذات
سے مناجات کرنے والا ہوں۔''

یہ کیفیت ہمارے چوتھے امام کی وضو کے وقت کی ہے۔ وضو عین نماز نہیں ہے بلکہ مقدمات نماز میں سے ہے جس ذات گرامی کا وضو اتنا بلند و بالا ہو اسکی نماز کا کیا کہنا۔ حضرت خشوع و خضوع کا اہتمام تو فرماتے ہی تھے بلکہ کثرت عبادت کا بھی خاص اہتمام رکھتے تھے۔

حضرت امیر المومنینؑ کی دختر فاطمہؑ نے ایک دن جابر بن عبداللہ انصاریؓ کو بلایا اور فرمایا کہ آپ اصحاب کبار رسولؐ خدا میں سے ہیں اور ہم اہلبیتؑ کا حق آپ کے اوپر ہے اور اہلبیت کی فرد حضرت علی بن الحسین علیہما السلام ہی باقی رہ گئے ہیں وہ عبادت الٰہی میں اپنے اوپر بہت زیادتی کرتے ہیں۔ ان کی پیشانی، گھٹنے اور ہتھیلیوں پر کثرت عبادت کے سبب گٹے پڑ گئے ہیں اور بدن نحیف و کمزور ہو گیا ہے ان سے التماس کریں کہ وہ اپنی عبادت میں کچھ تخفیف کر دیں۔ جب حضرت جابر صحابی رسولؐ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا حضرت امام زین العابدینؑ محراب عبادت میں بیٹھے ہیں۔ امامؑ نے جابر کی عزت و تکریم کی اور اپنے پہلو میں انہیں بٹھایا اور بہت کمزور آواز میں ان کی احوال پرسی کی تب حضرت جابر نے عرض کیا اے فرزند رسولؐ، خداوند عالم نے جنت آپ کے

لئے اور آپ کے محبوں کے لئے خلق فرمائی ہے اور جہنم آپ کے دشمنوں اور مخالفین کے لئے خلق فرمائی ہے پس کیوں اپنے آپ کو اتنا تھکاتے ہیں۔امامؑ نے فرمایا اے صحابی رسولؐ سرکار رسالت نے باوجود کرامت کی زیادتی کے مشقت عبادت کو ترک نہ کیا اور عبادت میں کمی نہیں آئی۔صحابی رسولؐ نے فرمایا مولا آپ پر میرے ماں باپ قربان جائیں کہ آپ کی پنڈلیاں بھی سوج گئیں ہیں اور آپ کے قدموں پر ورم آگیا۔آپ کیوں اتنی زحمت و تکلیف برداشت کرتے ہیں امام چہارم نے فرمایا کہ:

''کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور اسکی نعمتوں کا شکریہ ترک کردوں''۔

(احسن المقال جلد اول ۵۷۸)

حضرت کلینیؒ نے حضرت جعفرؑ بن محمدؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت سید الساجدینؑ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور جب سجدہ میں جاتے تو اس وقت تک سر نہ اٹھاتے جب تک آپ کے پسینہ نہ بہنے لگتا۔

ایک ہم ہیں کہ جب خالق کی بارگاہ میں جانے کی تیاری کرتے ہیں تو کہیں ہم میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی، نہ دوران عبادت اور نہ ہی بعد عبادت، نہ وضو کرتے وقت چہرہ کا رنگ متغیر ہوتا ہے اور نہ ہی حالت نماز میں ایسی کوئی تبدیلی دکھائی پڑتی ہے کہ جسے کہہ سکیں کہ واقعاً آج عبادت کا ذائقہ میسر ہوا مقام غور و فکر ہے۔کیا کہنا حضرت کا ہر عمل مقام عبادت کو مکمل واضح کرتا ہے بلکہ عبادت ناز کر رہی ہے کہ مجھے زین العابدین ادا کر رہا ہے گویا ہر عبادت کو حضرت زین العابدینؑ کی عبادت نے معراج بخشی۔

نماز تو نماز ہے اسے پوری عظمت اور شان و شوکت سے ادا کر کے بتا یا، سخاوت بھی جداگانہ امتیاز کی حامل رہی اور عبادت حج بھی منفرد رہی۔غزالی نے کتاب اسرار الحج میں سفیان بن

عینہ سے نقل کیا ہے کہ علی بن الحسینؑ نے حج کیا جب احرام باندھنے لگے تو آپ کی سواری رکی اور آپ کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپ پر لرزہ طاری ہوا اور آپ لرزتے رہے اور لبیک نہ کہہ سکے سفیان نے کہا آپ کیوں نہیں تلبیہ کہتے آپ نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہیں یہ نہ جواب میں کہا جائے کہ **لا لبیک و لا سعدیک**۔جب آپ نے تلبیہ کہی تو غش کھا کر سواری سے زمین پر گر پڑے اور آپ کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ آپ حج سے فارغ ہوئے۔

عبادت کو جس پر ناز ہے اسے حضرت زین العابدینؑ کہتے ہیں۔

اے اللہ ہمیں سیرت امام چہارم پر گامزن رکھ کر عبادات و طاعات کی توفیق عطا فرما۔آمین

☆☆☆

امام محمد باقر علیہ السلام .... مشعل علم وتقویٰ

سلسلۂ امامت کی پانچویں فرد جن کا اسم مبارک محمدؑ، کنیت ابو جعفر، القاب شاکر، ہادی ہیں لیکن مشہور و معروف لقب باقرؑ ہے۔ کتاب میں مرقوم ہیکہ یہ وہ لقب ہے جس نام سے آپ کو پیغمبر عظیم الشان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یاد فرمایا تھا جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا: ''اے جابر امید ہے کہ دنیا میں تو زندہ رہے یہاں تک کہ اولاد حسینؑ میں سے میرے ایک فرزند سے ملاقات کرے گا جس کا نام میرا نام ہوگا۔'' **یبقر علم الدین بقراً** جو علم دین کو شگافتہ کرے گا جب ملاقات کرنا تو میرا اسلام اس کو پہنچانا۔ ارشاد پیغمبر اسلام کے سبب حضرت جابرؓ کے یقین میں اضافہ ہوا کہ حتما موت آنہیں سکتی جب تک کہ دیدار ہمنام محمد نہ ہو جائے حضرت جابر تلاش کر رہے ہیں کہ فرزند رسول سے ملاقات ہو، گلیوں کو چھان رہے ہیں کہ نور امام سے فیضیاب ہوں کیا دیکھتے ہیں کہ مدینہ کی گلی ہے اور صاحبزادہ سے ملاقات ہوئی فرماتے ہیں اے صاحبزادے آپ کون ہیں؟ فرمایا محمد بن علی بن الحسین بن علی ابی طالب ہوں۔ جابر کہتے ہیں صاحبزادے میری طرف رخ کیجئے۔ شہزادے نے ان کی طرف رخ کیا۔ فرمایا کہ ذرا پشت پھیریئے آپ نے ویسا ہی کیا تو عرض کیا رب کعبہ کی قسم! یہی پیغمبر اسلام کے شمائل و خصائل ہیں۔ یقین کی بلندیوں پر فائز جابرؓ کہتے ہیں اے صاحبزادے! خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو سلام کہا ہے۔ امام نے جواباً کہا۔ جب تک زمین و آسمان باقی ہیں رسول خدا پر سلام ہوتا رہے اور تجھ پر بھی سلام ہو۔ اے جابر! تم نے ہمارے جد کا سلام پہنچایا۔ اسوقت حضرت جابر نے کہا کہ یقیناً آپ باقرؑ ہیں

عظمت سلام :

ساری دنیائے اسلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کہہ رہی ہے **السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا نبی اللہ** لاکھوں سلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچانے کے لئے مسلمان بے چین ہیں لیکن یہ عظمت سلام ہی ہیکہ نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے وصی رحمت ہمنام محمد کی خدمت میں سلام بھجوا رہے ہیں جسکے گواہ رسول کے صحابی حضرت جابرؓ ہیں مجھے اور لکھنے دیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلام کہلوانے سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہی وہ افراد ہے جنہیں علیہ السلام کہنا چاہیئے۔ اس طرح آل طاہرین کو علیہ السلام کہنا سنت رسول اللہ بھی ہے۔

ہیبتِ علم :

علماء، فقہا حضرت امام محمد باقرؑ کے سامنے چھوٹے دکھائی پڑتے تھے، حکم بن عتبہ باوجود کثرت علم کے جب آنحضرت کی بارگاہ میں آتا طفل مکتب دکھائی دیتا۔ جابر بن یزید جعفی فرماتے ہیں کہ جب بھی مجھے مشکل امر آتا میں وصی اوصیا وارث علوم انبیاء حضرت محمد بن علی بن الحسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کرتا یہاں تک میں نے تیس ہزار حدیثیں حضرت سے دریافت کی ہیں۔

فضیلت امامؑ :

ابن حجر صواعق میں لکھتا ہے **ھو باقر العلم و جامعهٔ وشاهرة علمه و رافعه صفاقلبهٔ و ذکی علمهٔ و عمله و طهرت نفسه و شرف خلقه و عمرت اوقاتهٔ بطاعته الله و له من الرسوخ فی مقامات العارفین مایکل عنه السنته الواصفين ولهٔ کلمات کثیرة**

فی السلوک والمعارف ولا تحتملها هذه العجالته آپ باقر علم، جامع علم، اس کو پھیلانے اور بلند کرنے والے، دل صاف، پاک نفس طاہر اخلاق باشرف تھے۔ آپ کے اوقات اطاعت خدا سے معمور تھے کہ جس کے بیان کرنے سے زبانیں عاجز ہیں۔ سلوک و معارف میں آپ کے بہت سے ارشادات ہیں۔ یہ مختصر کتاب اس بحر بے کراں کی متحمل نہیں ہے۔

(احسن المقال ج۔ اول ص ٦٦٩)

غلاموں کی مدد :

حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب میں ہے کہ جب اپنے غلاموں کو کسی کام پر مامور کرو جو ان کے لئے دشوار ہو تو تم خود بھی ان کے ساتھ کام کرو۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں جب میرے والد اپنے غلاموں کو کسی کام کا حکم دیتے تو خود تشریف لا کر اس کام کو دیکھتے اگر وہ سخت اور دشوار ہوتا تو بسم اللہ کہہ کر خود بھی اس میں مشغول ہو جاتے اور اگر وہ آسان ہوتا تو ان سے الگ ہو جاتے۔

وہ افراد امام باقر علیہ السلام کی اس سیرت پر توجہ دیں جو ملازم کو جانور سے کم نہیں سمجھتے اور ظالمانہ سلوک روا رکھتے ہیں نیز کسی قسم کی رعایت بھی فراہم نہیں کرتے چہ جائیکہ مزدوروں کے ساتھ مل کر امور کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔

امام باقر علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو ہدایت:

امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا۔

'' بیٹے! خدا نے تین چیزوں کو تین چیزوں میں پوشیدہ رکھا ہے۔ اول اپنی رضا اور خوشنودی کو اپنی

عبادت میں پوشیدہ رکھا ہے لہٰذا کسی عبادت کو حقیر نہ سمجھو شاید اسی میں خدا کی رضا ہو۔ دوم اپنے غصے کو گناہوں میں چھپا کے رکھا ہے لہٰذا کسی گناہ کو چھوٹا نہ سمجھو شاید وہی چھوٹا گناہ تمہارے لئے خدا کے غصہ اور ناراضگی کا سبب بن جائے۔ سوم اس نے اپنے محبوب بندوں کو انسانوں میں چھپا رکھا ہے لہٰذا کسی انسان کو حقیر نہ جانو کیونکہ ممکن ہے وہی بندہ محبوب خدا ہو۔

مفید سوالات کے جوابات :

چند مفید سوال جن کے جوابات حضرت امام باقر علیہ السلام نے دیئے ہیں۔ فائدہ عام کی خاطر نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ مولا کون سا اسلام بہتر ہے؟ ج۔ جس سے اپنے برادر مومن کو تکلیف نہ پہنچے۔

۲۔ کونسا خُلق بہتر ہے؟ ج۔ فرمایا صبر اور معاف کرنا۔

۳۔ کون سا مومن کامل ہے؟ ج۔ فرمایا جس کے اخلاق بہتر ہوں۔

۴۔ کون سا جہاد بہتر ہے؟ ج۔ جسمیں اپنا خون بہہ جائے۔

۵۔ کون سی نماز بہتر ہے؟ ج۔ جس کا قنوت طویل ہو۔

٦۔ کون سا صدقہ بہتر ہے؟ ج۔ فرمایا جس سے نافرمانی سے نجات ملے۔

۷۔ بادشاہان دنیا کے پاس جانے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ج۔ فرمایا اچھا نہیں سمجھتا۔

پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا اسلئے کہ بادشاہوں کے پاس کی آمد و رفت سے تین باتیں پیدا ہوتی ہیں۔

۱۔ محبت دنیا ۲۔ فراموشی مرگ ۳۔ قلت رضائے خدا۔ (چودہ ستارے ص ۳۱۹)

عقلمندان را اشارہ کافیست کے تحت مختصر مگر جامع اصول زندگی گذارنے کے حضرت امام علیہ السلام نے فراہم کر دیئے خواہ مختصر ہے لیکن پُر معنی اور با مقصد ہے جس پر عمل ہونا کامیاب زندگی کی

ضمانت ہے۔

طاؤس یمانی کے سوالات :

طاؤس یمانی نے سوال کیا کہ ایک تہائی آدمی کب ہلاک ہوئے؟ تب امام نے فرمایا ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔ بلکہ شاید تمہاری مراد یہ ہو کہ ۱/۴ آدمی کب ہلاک ہوئے؟ تو طاؤس کہنے لگے ہاں! وہ کس طرح؟ تو حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ۱/۴ آدمی اس وقت ہلاک ہوئے جب قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا، اس وقت چار آدمی تھے۔ آدم وحوا اور ہابیل و قابیل۔ ہابیل کو قابیل نے قتل کر دیا اسطرح اسوقت ۱/۴ آبادی ختم ہوئی۔ دوسرا سوال کیا کہ جن کو جن کیوں کہا جاتا ہے؟ تب امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ وہ پوشیدہ رہتے ہیں اور انسان کو دیوانہ اور مجنون بناتے ہیں اور دکھائی نہیں دیتے۔ پھر سوال کیا کہ اس چیز کے بارے میں بتایئے جو کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے؟ اور وہ کون سی شئے ہے جو زیادہ تو ہوتی ہے لیکن کم نہیں ہوتی؟ اور وہ کون سے چیز ہے جو کم تو ہوتی ہے مگر زیادہ نہیں ہوتی؟ تب امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو چیز گھٹتی بڑھتی رہتی ہے تو وہ چاند اور جو بڑھتی ہے اور گھٹتی نہیں وہ سمندر ہے اور وہ چیز جو گھٹتی ہے اور بڑھتی نہیں وہ عمر اور زندگی ہے۔

اللہ ہمیں سیرت امام محمد باقر علیہ السلام پر زندگی گذارنے کی توفیق مرحمت فرما۔ آمین۔

☆☆☆

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور صداقت

یاایھا الذین امنو اتقو اللہ و کونو مع الصادقین (سورۂ توبہ ۱۱۹)

''ایمان والو۔ اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔''

آیت میں دو باتوں کا حکم دیا گیا ہے پہلی تو یہ ہے کہ اللہ سے ڈرا جائے اور دوسری بات یہ ہے کہ صادقین کے ساتھ ہو جانے کا حکم دیا جارہا ہے گویا صادقین کا ہر زمانے میں وجود بھی لازمی ہے۔ مزید یہ کہ یہ خطاب ایمانی افراد سے ہے ایمان کے علاوہ افراد اس حکم سے خارج ہیں گویا ایمان کو سلامت رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ سے ڈرا جائے اور صادقین کے ساتھ رہا جائے۔ جن صادقین کے ساتھ رہنے کا حکم اہل ایمان وتقویٰ کو دیا گیا ہے وہ صرف زبان اور قول کے صادقین نہیں ہیں بلکہ قول وعمل، وعدہ اور کردار ہر اعتبار سے صادقین ہیں تاکہ سارا عالم ایمان وتقویٰ کے ساتھ چل سکے اور وہ سب کے قائد قرار پاسکیں۔

آیت میں اللہ سے ڈرنے کی بات کہی جارہی ہے اللہ سے ڈرنا کیا مراد ہے؟ جس طرح انسان موذی جانوروں، شیر اور سانپ سے ڈرتا ہے اور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے یا صادقین جس طرح اللہ سے ڈرتے ہیں۔ انکی سیرت پر عمل کرتے ہوئے اللہ سے ڈرنے کا سبق حاصل کریں۔ آیت کے لب ولہجہ سے یہی استفادہ ہوتا ہے کہ صادقین سے ہی تقویٰ الٰہی معلوم کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ اب ہم یہ معلوم کریں کہ صادقین کون کو نا ہیں؟ جب یہ معلوم ہو جائیگا ساری منزل ہماری آسان ہے۔

صادقین جمع کا صیغہ ہے واحد نہیں اسلئے صداقت میں ایک سے زیادہ افراد شامل ہیں۔

بالفرض اگر واحد تسلیم کریں تو ہمارے لئے منزل آسان ہے۔ واضح سی بات ہے کہ پیغمبر اکرم رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہی نہیں بلکہ کفار قریش بھی صادق وامین کے خطاب سے پکار رہے تھے۔ لیکن آیت کا مصداق واحد صادق نہیں ہے بلکہ اور بھی افراد صادق کی فہرست میں شامل ہیں۔ قرآن شریف کی ایک آیت کے ذریعہ یہ فرمان ملا کہ

قل ھا تو ابرھانکم ان کنتم صادقین

اگر تم سچے ہو تو دلیل لاؤ اسلئے صادقین کی فہرست مرتب کرنے کے لئے آیت مباہلہ کا سہارا لیتے ہیں تا کہ دلیل بھی ہو جائے اور صادقین کا پتہ بھی چل جائے۔

فمن حاجک فیہ من بعد ماجاء ک من العلم فقل تعالوا ندع ابناء ناو ابناء کم ونساء نا ونساء کم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکذبین .

(سورہ آل عمران ۶۱۔)

"اے پیغمبر! علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے کٹ حجتی کریں ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے بیٹوں، اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں اور پھر خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔"

آیت کے تفصیلی واقعہ میں نہ جاتے ہوئے نتیجہ یہ نکلا کہ رسولؐ وآل رسولؐ صادقین کہلائیں اور ہمارا موضوع ہی تھا صادقین کی تلاش تو لہٰذا اہلبیتؑ اطہار ہی صادقین ہیں۔ صداقت کی اس منزل پر فرزند رسول حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بھی صداقت ملاحظہ فرمائیں۔

راویوں میں سے ابن عطیہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ ہم امام جعفر صادقؑ کے ہمراہ کوہ صفا کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اور ہماری ایک جانب خانۂ کعبہ نظر آرہا تھا کہ اتنے میں حاضرین میں سے

ایک شخص نے آکر پوچھا: کیا یہ صحیح ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ایک مومن مسلمان اس گھر (خانۂ کعبہ) سے برتر ہے؟ آپ نے جواب دیا ہاں کیوں کہ خدا کے نزدیک ایک مومن مسلمان کی اتنی قدر و منزلت ہے کہ اگر وہ پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ اے پہاڑ میرے قریب آجا تو وہ قریب آجائیگا۔ جونہی آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے ہم لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ پہاڑ متحرک ہوا اور آپ کے قریب آگیا امام نے پہاڑ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے تجھے اپنے پاس بلایا نہیں تھا یہ سنتے ہی پہاڑ واپس ہوا اور اپنی جگہ پہنچ کر ساکن ہو گیا۔ (امام جعفر صادقؑ اور سائنسی انکشافات ص ۱۴۴)

امام صادقؑ مومن کی فضیلت بیان کرتے ہوئے صرف پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو پہاڑ نے اپنی جگہ چھوڑ کر امام کی صداقت کی دلیل دی۔

ایسے معصوم افراد کی سیرت پر گامزن رہنا ہی صادقین کے ساتھ رہنا اور انکی خدا ترسی اور خشیت الٰہی پر عمل بھی تقویٰ الٰہی ہے جس کا قرآن کریم حکم دے رہا ہے۔ صداقت ایک جوہر خاص ہے کہ بلا تفریق مذہب وملت صداقت کا اعتراف ہر کوئی کر کے ہی رہتا ہے چہ جائیکہ یہ صفت روحانی قائد میں پایا جانا بدرجۂ اتم ضروری ہے۔ صداقت کو جس پر ناز ہے ایسی ہی شخصیت کو امام جعفر صادقؑ کہتے ہیں۔ حضرت کے ذہن اقدس سے نکلے ہوئے کلمات کی صداقت کو آپ نے مطالعہ فرمایا ہے اب یہ تحریری صداقت ملاحظہ فرمائیں۔

شاھان جبل (ایران میں ایک پہاڑ) سے ایک شخص ہر سال حج کے موقع پر امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوتا، آنحضرت کے مہمان خانے میں قیام کرتا وہ آپ سے خصوصی محبت رکھتا اور اہلبیت کے ماننے والوں میں سے تھا۔ ایک سال حج کے دوران امام صادقؑ کے سامنے پیش ہوا کچھ دیر وہاں ٹھہرا پھر خانۂ خدا کی زیارت کی نیت سے مکہ کی طرف چل پڑا۔ چلنے سے پہلے مدینہ میں گھر

خریدنے کے لئے امام صادق کو ۱۰ ہزار درہم دیئے تا کہ جب بھی مدینہ آئے اسی گھر میں قیام کرے اور امام کے لئے تکلیف کا باعث نہ بنے۔ وہ مکہ گیا اعمال حج کو بجالایا پھر مدینہ لوٹ آیا امام کی خدمت میں پہنچا عرض کیا یا بن رسول اللہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں کیا میرے لئے گھر خریدا ہے۔ امام نے فرمایا: ہاں تمہارے لئے گھر خریدا ہے گھر کی رجسٹری کو اسے دکھایا جب اس نے رجسٹری کو کھول کر پڑھا تو اس پر لکھا تھا ”شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے یہ گھر کی رجسٹری ہے جسے جعفر بن محمد نے فلاں (جبلی) کے لئے خریدا ہے گھر بہشت بریں میں ہے کہ جس کے اردگرد رسول خدا، امام علی، امام حسن، امام حسین رہتے ہیں۔“

اس شخص نے جب گھر کی رجسٹری پڑھی تو بہت خوش ہوا اور کہنے لگا اے امام آپ پر قربان اس معاملہ پر راضی ہوں۔ پھر امام صادق نے فرمایا وہ رقم جو تم نے مجھے گھر خریدنے کیلئے دی تھی میں نے اس رقم کو امام حسن و امام حسین کی اولاد میں سے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا ہے اور انکی ضروریات کو پورا کیا ہے۔ امیدوار ہوں کہ خداوند تعالیٰ اسے قبول کرے اور اسکے اجر کو جنت میں تجھے عطا کرے۔

اس ماجرا کے بعد وہ شخص امام سے رخصت ہوا اور اپنے شہر جبل لوٹ آیا گھر کی رجسٹری اس کے ساتھ تھی کچھ مدت کے بعد اپنے وطن میں بیمار ہو گیا اور احتضار کی حالت آن پڑی جب اس نے احساس کیا کہ اب زندگی باقی نہیں ہے اپنے اہل وعیال کو بلوایا اور وصیت کی کہ مرنے کے بعد اس رجسٹری کو میرے کفن میں رکھ دینا اس کام کو کرنے کے لیے اس نے قسم لی۔ انھوں نے بھی وصیت پر عمل کیا دفن کرتے وقت سند کو بھی کفن میں رکھ دیا اور قبر پر مٹی ڈال کر گھروں کو لوٹ گئے دوسرے دن جب اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لئے آئے تو دیکھا وہی سند قبر پر پڑی ہے اس پر لکھا تھا کہ ولی خدا جعفر بن محمد نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ (خاندانِ عصمت ص ۱۸۳) ☆☆☆

دین سراپا حساب ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم .

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرّۃ شرا یرہ .

”پھر جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہے وہ اسے دیکھے گا۔“ (سورۃ زلزال ۷ تا ۸ ترجمہ انوار القرآن)

بروز قیامت کم سے کم نیکی جو کسی شمار وقطار میں نہیں آتی ہے اسکی بھی جزا اور ہر چھوٹی سے چھوٹی برائی جسے انسان کرتے ہوئے بھی شاید برائی یا گناہ نہ سمجھتا ہو بروز قیامت اسکی بھی سزا دی جائیگی۔ اس آیت کا ترجمہ بہت ہی مشہور اور معروف ہو گیا ہے اکثر انسانوں کے ذریعہ ضرب المثل کے طور پر سنا بھی جاتا ہے۔ آیت میں مثقال استعمال کیا گیا ہے جو کہ ایک وزن ہے جسے حساب میں شمار کیا جاتا ہے۔ مثقال بھر عمر کا بھی حساب وکتاب ہونا ہے، عمل اور حساب دونوں لازم وملزوم ہیں، دین میں، اسلامی معاملات میں، مقدار عمل کا تعین ضروری ہے اس طرح دین سراپا حساب کا نام ہے۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ دین سراپا حساب کا نام ہے ہارون رشید خلیفۂ وقت کو ہنسی آگئی، امام کے درمیان جو گفتگو ہوئی اسے قارئین کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

علامہ محمد مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار میں لکھتے ہیں کہ: ”ایک مرتبہ فضل بن ربیع اور اس کا ساتھی بیان کرتا ہے کہ جب ہارون رشید نے حج کیا اور طواف کرنے کے دوران ایک مرد عرب کو اول اول سارے ارکان ادا کرتے ہوئے دیکھا اور حیرت واستعجاب کے عالم میں پڑ گیا کیونکہ دنیاوی حاکم

اپنے آگے کسی کا ہونا پسند نہیں کرتا ہے۔ خدا کے یہاں کی بات ہی الگ ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

ہارون رشید اپنے حاجب کو حکم دیتا ہے کہ اس مرد عرب کو بلایا جائے، حاجب آ کر اس مرد عرب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ امیر المومنین ہارون رشید بلا رہے ہیں۔ مرد عرب جواب دیتا ہے ضرورت اسے ہے اس لئے وہ آئے ہارون رشید کہتا ہے اس مرد عرب کی بات سچ ہے اس لئے وہ خود حاضر ہوتا ہے اور مرد عرب کو سلام کرتا ہے۔

مردعرب :- وعلیکم السلام۔

ہارون : کیا بات ہے کہ تجھ جیسا شخص بادشاہوں سے مزاحم ہوتا ہے؟

مردعرب :- تو بادشاہ ہے تو کیا ہوا میرے پاس بھی علم ہے۔

ہارون :- میں تجھ سے چند سوالات کرتا ہوں۔

مردعرب : یہ بتاؤ کہ سوالات کس حیثیت سے کر رہے ہو ایک متعلم کی حیثیت سے یا محض ہمیں پریشان کرنے کے لئے؟

ہارون :- میں ایک متعلم کی حیثیت سے سوال کروں گا۔

مردعرب : اگر ایسا ہے تو پھر اس طرح بیٹھ جاؤ جیسے طالب علم کسی معلم کے سامنے بیٹھتا ہے اور دریافت کرتا ہے اچھا دریافت کر۔

ہارون : اچھا بتاؤ فرائض کیا ہیں؟

مردعرب : اللہ تیرا بھلا کرے فرض ایک ہے، پانچ ہیں، سترہ ہیں، چونتیس ہیں، چورانوے ہیں

اور سترہ پر ایک سو ترپن، بارہ میں ایک، چالیس میں ایک، دو سو میں پانچ اور ساری عمر میں ایک اور ایک کے بدلے ایک۔

ہارون (عجیب انداز سے ہنستے ہوئے) میں نے فرائض کے بارے میں پوچھا اور تم گنتی گننے لگے۔

مردعرب کیا تجھے معلوم نہیں ''دین سراپا حساب کا نام'' ہے۔ اگر دین حساب کا نام نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی اپنی مخلوق کا حساب نہ لیتا، وان مِثقَالَ حَبَّةٍ من خَرْدلٍ اتینا بھا و کفی بنا حسبین ۔ (سورہ الانبیاء ۴۷) ''اور کسی کا عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہے تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم سب کا حساب کرنے کے لئے کافی ہیں۔''

ہارون اچھا تم نے جو کہا اسکی وضاحت کر دو ورنہ میں حکم دوں گا کہ تمہیں صفا و مروہ کے درمیان قتل کر دیا جائے۔

(ہارون کا اتنا کہنا تھا کہ حاجب نے کہا)

امیر المومنین خدا کیلئے اس جگہ کے احترام میں اسے بخش دیں۔

(مردعرب حاجب کی اس لجاجت بھری درخواست سن کر ہنس دیا)

ہارون :- اس میں ہنسنے کی بات کیا ہے؟

مردعرب مجھے حاجب اور تیری دونوں کی عقلوں پر ہنسی آئی کیونکہ پتہ نہیں کہ تم دونوں میں سب سے زیادہ جاہل کون ہے؟ وہ زیادہ جاہل ہے کہ جو موت کا وقت آ گیا ہے اور استدعا کرتا ہے کہ بخش دیا جائے یا وہ زیادہ جاہل ہے جو ابھی موت کا وقت نہیں آیا اور کہتا ہے کہ میں تیرے لئے قتل کا حکم دوں۔

ہارون ۔ اچھا اس گفتگو کو یہیں چھوڑ دو جو کچھ تم نے کہا ہے فرائض کے بارے میں وضاحت کرو

مرد عرب ۔ اچھا غور سے میرا قول سنو میں نے کہا فرض ایک ہے تو وہ دین اسلام ہے اور پانچ تو وہ پانچ وقت کی نماز ہے۔ اور سترہ تو وہ ان نمازوں کی سترہ رکعتیں ہیں۔ اور چونتیس تو یہ ان کے اندر چونتیس سجدے ہیں۔ اور چورانوے تو یہ ان نمازوں کے اندر چورانوے تکبیریں ہیں اور ایک سو ترپن تو یہ اس کے اندر ایک سو ترپن تسبیحات ہیں۔ پھر میرا قول کہ بارہ میں ایک، تو بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے جسمیں روزہ فرض ہے اور میرا قول کہ چالیس میں سے ایک تو جس کے پاس چالیس دینار ہیں تو اللہ نے اس پر فرض کیا ہے کہ ایک دینار زکوٰۃ میں دے۔ اور میرا قول کہ دوسو میں سے پانچ تو جس کے پاس دوسو درہم ہیں اس پر فرض ہے کہ پانچ درہم زکوٰۃ دے پھر میرا یہ قول کہ ایک تو عمر بھر میں ایک حج ہے اور ایک کے بدلے ایک تو جو شخص ناحق کسی کا خون بہائے فرض ہے کہ اس کے بدلے اس کا خون بہادیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "النفس بالنفس"۔ (سورۃ المائدہ ۴۵)

تسلی بخش جواب سن کر ہارون حیرت کی دنیا میں غرق ہوگیا اور مرد عرب کے جانے کے بعد لوگوں سے دریافت کیا کہ آخر یہ مرد عرب ہے کون؟ لوگوں نے جواب دیا یہ حضرت موسیٰؑ بن جعفرؑ ہیں ہارون نے اعتراف کیا کہ واقعاً انہیں ایسا ہونا ہی چاہیئے امام نہ حالات سے خوف کھاتا ہے اور نہ ہی وقت کے خلیفہ سے ڈرتا ہے اور نہ ہی حق کو چھپاتا ہے بلکہ بابانگ دہل موقع ملتے پر تعلیمات اسلامیہ کے ذریعہ دین کے بہت سارے مسائل سے باخبر کردیتا ہے تاکہ پرستاران سرکش ہوش کا ناخن لیں اور اسلامی روش پر گامزن رہیں۔ امام ہفتمؑ نے فرائض کے عنوان کے تحت خلیفہ ہارون کو احکام بیان فرمادیئے۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ ساتھ ہی قصاص کا مسئلہ چھیڑ کر ہارون کو تنبیہ کیا اتنا

ہی نہیں سوال کرنے کے پہلے معلم اور معلم کے فرق کو بھی بیان فرمادیا اور حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ یہ ہارون جاہل ہے اور صفا و مروہ کے درمیان قتل کردینے کی دھمکی کے جواب میں بقول شاعر

فانوس بن کے جسکی حفاظت ہوا کرے — وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

مولانا عبیداللہ امرتسری ارجح المطالب کے صفحہ ۳۴۳ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فضائل و مناقب کو اس طرح لکھتے ہیں "فصول مہمہ میں لکھا ہے کہ جناب امام موسیٰ کاظمؑ اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ عابد اور سب سے زیادہ عالم اور سب سے زیادہ سخی ہاتھ والے اور بزرگ نفس والے تھے۔ آپ فقراء اہل مدینہ کے حال پر مہربانی فرماتے اور ان کے گھروں میں درہم و دینار اور کھانا وغیرہ بھیجتے اور ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ کون آتا ہے اور کہاں سے آتا ہے یہ راز تو امام ہفتمؑ کی وفات ہوجانے پر منکشف ہوا۔"

امام ہفتمؑ حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام بندگان خدا کو دینے میں بھی کتنی احتیاط کا خیال رکھتے جسے دے رہے ہیں اس سے اپنا نام پوشیدہ رکھتے، اسے حسن عمل کی پابندی کہتے ہیں نام کا پوشیدہ ایک دن دو دن نہیں بلکہ آخر حیات تک نام کو پوشیدہ رکھا کیوں نہ ہو امام عالم قرآن ہوتا ہے آپ کی نظر مبارک ضرور اس آیت پر ہوگی **لا تبطلو اصد قتکم بالمن و الاذی** اپنے صدقات کو باطل نہ کرو احسان جتلا کر اور اذیت دے کر۔ بارگاہ الٰہی میں وہی صدقات، خیر و خیرات، نیکیاں قبول ہیں جن میں احسان نہ جتایا گیا ہو اور نہ ہی اذیت دی گئی ہو ہمارا معاشرہ بھی اس مرض میں گرفتار ہے۔ امام اور قرآن کی نظر میں سخاوت کے وقت بھی قلب و نظر کو پاک و پاکیزہ رکھنے کی ضرورت ہے اور دیتے وقت احسان جتانے اور اذیت پہنچانے کی عادت سے دور رہنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ نیکیاں برباد ہونے سے بچ سکیں اور خدا معمولی سی نیکی کی بھی جزا دینے کا وعدہ کرتا ہے۔

اب ہم اس مختصری تحریر کو اس صلوات پر ختم کر رہے ہیں جسے فضل اللہ بن روز بہان جو کہ ایک سنی عالم ہیں نے اپنی کتاب درشرح صلوات چہاردہ معصومین میں لکھا ہے۔ اللّٰھُمَّ صل وسلم علیٰ سیدنا محمد و آل محمد سیما الامام العالم موسی الکاظم وسلم تسلیماً

اے اللہ صلوات وسلام ہمارے سید و سردار آقا محمد اور ان کی آل خصوصاً امام جہاں حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام پر نازل فرما جیسا کہ حق ہے۔

اے اللہ ہمیں سیرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر چلنے کی نیک توفیق مرحمت فرما۔

(آمین ثم آمین)

☆☆☆

حضرت امام علی رضا علیہ السلام............نمونۂ تقویٰ

انّا جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم .

''ہم نے تم کو شعبے اور قبائل میں قرار دیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں بزرگ ترین وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار تر ہے۔''

اس آیت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے شعبے اور قبیلے اس لئے قرار دیے ہیں تا کہ ایک دوسرے کو پہچانیں لیکن پرہیزگاری تمام افراد کے لئے ضروری ہے اور یہی خدا کے نزدیک فضیلت ترین عمل ہے

شیخ صدوق علیہ الرحمہ موسیٰ ابن نصر رازی سے نقل کرتے ہیں کہ کسی نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کہا:

''خدا کی قسم! از روئے آباواجداد کوئی شخص آپ سے افضل نہیں۔''

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''محض تقویٰ اور پرہیزگاری ہی خدا کی اطاعت و بندگی ہے جس سے ان کو یہ فخر و شرف حاصل ہوا۔''

اسی طرح ایک روز کسی نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: ''واللہ انسانوں میں آپ بہترین انسان ہیں۔'' آپ نے بکمال انکساری ارشاد فرمایا: ''اے شخص! قسم نہ کھا جس کا تقویٰ مجھ سے زیادہ ہے وہ مجھ سے افضل ہے۔''

قسم خدا کی قرآن مجید سے یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ اسی درج بالا آیت کی تلاوت فرمائی۔

یہ امام علیہ السلام ہیں کہ جنھوں نے برمحل اقرار فرمایا کہ اگر کسی کا تقویٰ مجھ سے زیادہ ہے تو وہ مجھ سے

زیادہ صاحب فضیلت ہے۔ لیکن آج کے زمانے میں معمولی عبادت کو بڑی پیش کرنا ایک عام بات ہوگئی ہے اور افضلیت صرف اپنے لیے ہی ثابت کی جاتی ہے۔ اپنے غیر کے لئے نہیں جبکہ اپنے علاوہ کے یہاں ساری فضیلت کے اعمال موجود ہونے پر بھی وہ صاحب فضیلت نہیں گردانا جاتا کاش کہ ایسے افراد امام علیہ السلام کی اس سیرت کی جانب متوجہ ہوتے!

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک:

ایک مرد اہل بلخ سے خراسان کے سفر میں آپ کے ہمرکاب تھا۔ ناقل ہے کہ ایک روز دستر خوان بچھا تو غلامان حبشی وغیر حبشی سب کے سب کھانے کے لیے برابر آکر بیٹھ گئے۔ میں نے عرض کی کہ میں آپ پر فدا ہوں، اگر ان لوگوں کے لیے علاحدہ کھانے کا بندوبست کردیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''اللہ ایک ہے اور ماں ان سب کی حوا اور باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ جزا و سزا ہر ایک کو اس کے عمل کے حساب سے ملے گی پھر یہ تفاوت اور تفرقہ کیسا؟

دوسرے مقام پر امام علیہ السلام کے خاص خادم یاسر نقل فرماتے ہیں کہ ہم کو برابر تاکیدی حکم ہوا کرتا تھا کہ جب تم کھانا کھانے میں مصروف رہو اور میں آجاؤں تو میری تعظیم کو نہ اٹھا کرو۔ اکثر اوقات کسی خادم کو بلاتے اور کہہ دیا جاتا کہ وہ کھانا کھا رہا ہے تو ارشاد فرماتے اچھا اسے کھانے دو۔ جب تک کھانے سے فارغ نہیں ہو جاتا کسی کو خدمت کے لیے مامور نہ فرماتے۔

خیرات کا خاص انداز:

معمر ابن خلاد کہتے ہیں کہ حضرت امام علیہ السلام کا معمول تھا کہ جس وقت آپ کھانا کھانے بیٹھتے

تو ایک خوان سامنے رکھا جاتا۔ ہر قسم کے کھانوں سے تھوڑا تھوڑا لیتے اور اسے علاحدہ خوان میں رکھتے جاتے۔ فارغ ہوتے تو وہ خوان مسکینوں اور محتاجوں کو بھجوا دیتے اور قرآن مجید کی آیت تلاوت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے کہ حق تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کے تمام بندے غلام آزاد کرنے پر قادر نہیں ہیں اس لیے ان کے جنت میں جانے کی یہ سبیل نکالی کہ یتیم و مسکین کو کھانا کھلائیں۔

زہد و تواضع:

جہاں کھانا کھانے میں غلاموں کو ساتھ میں لیکر کھانے کا اہتمام فرماتے وہیں موسم گرما میں جو فرش ہوتا تھا وہ بوریا کا ہوا کرتا تھا اور موسم سرما میں موٹا کپڑا استعمال کرتے اور جب تک گھر میں تنہا ہوتے موٹے کپڑے زیب تن فرماتے جب باہر مجمع میں تشریف لے جاتے تب نفیس کپڑے زیب تن کرتے۔ ایک مرتبہ مدینہ کے ایک فقیہ نے آپ کو شاندار کپڑے پہنے دیکھ کر اعتراض کیا کہ یا بن رسول اللہ اگر آپ اس سے کم قیمت کا کپڑا پہنتے تو آپ کے لیے زیادہ مناسب ہوتا۔ یہ سن کر آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آستین مبارک میں داخل کیا کہ دیکھ یہ اوپر کا کپڑا بندگان خدا کے دکھانے کے لئے ہے اور موٹا کپڑا عبادت خدا و خضوع و خشوع کے لیے ہے۔

اخلاق عامہ:

بیہقی نے صولی کے اسناد سے ابراہیم ابن عباس کی زبانی بیان کیا ہے کہ جناب ابوالحسن امام رضا علیہ السلام نے کبھی کسی شخص کے ساتھ گفتگو کرنے میں سختی نہیں فرمائی اور کبھی کسی بات کو درمیان سے کاٹا نہیں۔ آپ کی بزرگانہ عادت تھی کہ جب بات کرنے والا اپنی بات ختم کرلیتا تب حضرت اپنی طرف سے آغاز کلام فرماتے۔ کسی کی حاجت روائی اور کام نکالنے میں حتی المقدور دریغ نہ فرماتے۔

کبھی اپنے ہمنشین کے سامنے پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے اور نہ اہل مجلس کے روبرو کبھی تکیہ لگا کر بیٹھتے۔ کبھی آپ نے اپنے غلاموں کو برا نہ کہا۔ اوروں کا تو کیا ذکر میں نے کبھی آپ کو تھوکتے یا ناک صاف کرتے بھی نہیں دیکھا۔ آپ قہقہہ کے ساتھ ہرگز نہ ہنستے تھے صرف تبسم فرمایا کرتے تھے۔ راتوں کو نہایت کم سوتے اور زیادہ جاگتے اور اکثر راتوں میں شام سے صبح تک شب بیداری کرتے آپ اکثر اوقات روزہ سے ہوتے مگر ہر مہینہ کے تین روزے تو آپ سے کبھی فوت نہ ہوتے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ ہر ماہ میں تین روزے رکھ لینا ایسا ہے جیسا کہ کوئی ہمیشہ روزے سے رہے۔ خیرات کثرت سے کرتے تھے اور اکثر چھپا کر دیتے۔ خاص کر شبہائے تاریک میں عطا فرماتے۔

چند مفید جوابات:

۱۔ کسی شخص نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا: پانی اور روٹی کا کیا مزہ ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ پانی کا مزہ یہ ہے کہ آدمی کی حیات اس سے قائم ہے روٹی کا مزہ یہ ہے کہ وہ انسان کی وجہ معیشت ہے۔

۲۔ فضل بن سہیل نے سوال کیا اے ابوالحسن کیا مخلوق اپنے افعال میں مجبور ہے خدا جو چاہتا ہے ان سے کراتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ عادل ہے کہ کسی پر جبر کرے خود ہی افعال پر مجبور کرے پھر آپ ہی اس پر سزا کرے تو اسکی عدالت کہاں رہی۔

۳۔ ایک شخص نے اپنے بھائی کی شکایت کی حضرت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا اپنے بھائی کو اس کی نافرمانیوں پر معذور رکھ۔ اسکے عیبوں پر پردہ ڈال اور عیب پوشی کر۔ احمق کے بہتانوں پر صبر و شکیبائی کر اور زمانہ کے عظیم مصائب کو برداشت کر اور بدلہ لینے کو از روئے تفضل ترک کر دے اور ظالم کو خدا کے سپرد کر دے جو اس کا حساب لینے والا ہے۔

اپنے کام خود انجام دینا:

آپ ایک شب اپنے مہمانوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے گفتگو فرما رہے تھے کہ ناگاہ چراغ میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی، مہمان نے ہاتھ بڑھایا تا کہ چراغ کو روشن کر دے۔ حضرت نے منع فرمایا اور خود اس کام کو انجام دیا اور فرمایا ہم وہ ہیں کہ جو مہمانوں سے کام نہیں لیتے۔

اے خدا ہمیں سیرتِ امام علی رضاؑ پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین ثمہ آمین۔

☆☆☆

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اور یحییٰ بن اکثم

امامت سن و سال کی پابند نہیں ہوتی۔ خانہ اہلبیت علیہم السلام میں ہر زمانہ میں امت کی قیادت کے لئے کوئی نہ کوئی محمد رہے ہیں۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے زمانہ امامت میں مامون کی خلافت تھی۔ مامون کے بارے میں شہرت ہے کہ وہ علم دوست تھا۔ مامون حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو کمسنی میں بھی صاحب علم وفضیلت مانتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ اپنی بیٹی ام الفضل کا عقد آپ سے کر دیا۔ جب یہ راز بنی عباس کو پتہ چلا تو ان لوگوں نے طے کیا کہ چند سربرآوردہ افراد کے ساتھ مامون سے ملکر اس "ارادۂ خاص" سے باز آنے کی نصیحت کریں چنانچہ ان لوگوں نے ملاقات کر کے اپنی ناخوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے ساتھ جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ بھی ہمیں ناپسند تھا پھر بھی وہ صاحب فضیلت اور باکمال ہونے کی بناء پر قابل احترام تھے۔ اسلئے ہم ان کے خلاف کچھ کہہ نہیں سکے لیکن اب یہ معلوم ہوا کہ ان کے صاحبزادے حضرت تقی علیہ السلام کی جانب اچھی خاصی نظر التفات ہے جو کہ کم سن بھی ہیں اس کے باوجود دیگر علماء پر انھیں کو ترجیح دی جا رہی ہے اور اپنی بیٹی ام الفضل کا نکاح بھی کرنے کا ارادہ ہے۔ خلیفۂ وقت نے جواب دیا محمد علیہ السلام کم سن ضرور ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ صاحب فضل وکمال ہیں اور اپنے باپ کے جانشین بھی ہیں اور جن علماء کا تم تذکرہ کر رہے ہو وہ ان سے مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اگر تم لوگ چاہو تو کسی سے بھی ان سے مناظرہ کرالو اور میدان بحث و گفتگو میں محمد بن علی علیہ السلام شکست کھا گئے تو ضرور تمھاری بات قابل قبول ہے

کیا انتظام قدرت ہے کہ امام کی جانب سے مامون خود دفاع کر رہا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے حق بر زبان آید۔ بنی عباس کے آئے ہوئے وفد نے مامون کی پیش کردہ تجویز کو منظور کر لی کہ مناظرہ کیا جائے چنانچہ حکومت کے قاضی القضاء بے نظیر علمی شخصیت کو مامون کے دربار میں لے آئے۔ تاریخ جنھیں یحییٰ بن اکثم

کے نام سے جانتی ہے۔ ادھر مامون نے بھی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد بلا لیا۔ معینہ تاریخ میں مناظرہ ہوا۔ مجمع اس مناظرہ کو دیکھنے کے لئے بیچین تھا۔ ایک طرف کم سن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اور دوسری جانب عمر رسیدہ یحییٰ بن اکثم موجود ہے۔ تاریخ نے لکھا ہے کہ اس موقع پر اکابرین و معززین شہر کے علاوہ نو سو کرسیاں صرف علماء، فقہاء اور دانشوروں کے لئے مخصوص کی گئیں تھیں، ادھر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی مسند مامون نے اپنے پہلو میں بچھوائی تھی اور سامنے یحییٰ بن اکثم کی نشست تھی۔ یحییٰ نے سکوت کو توڑتے ہوئے حضرت علیہ السلام کا امتحان لینے کی غرض سے مامون کی طرف رخ کیا اور کہنے لگا:

"یا امیر المومنین! آپ مجھے اجازت دیں کہ میں ابو جعفر سے ایک مسئلہ پوچھوں۔" مامون نے جواب دیا: "تمھیں خود آنحضرت سے اجازت طلب کرنی چاہئے۔"

یحییٰ بن اکثم : "کیا سوال کرنے کی اجازت ہے؟"

امام علیہ السلام : "تمھیں اجازت ہے پوچھو جو چاہتے ہو؟"

یحییٰ بن اکثم : "آپ پر قربان جاؤں! کیا فرماتے ہیں اس شخص کے حق میں جو محرم تھا اور اس نے شکار کر لیا؟"

امام علیہ السلام : "اے یحییٰ! تمھارا یہ سوال ہی مہمل ہے۔ شکار 'حل' میں کیا ہے یا 'حرم' میں۔ آیا وہ عالم تھا یا مسئلہ سے جاہل، جان بوجھ کر قتل کیا یا بھولے سے، وہ خود آزاد تھا یا غلام، بچہ تھا یا بڑا، اس کا شکار پہلا تھا یا اس کے پہلے بھی کر چکا ہے، وہ شکار پرندوں میں سے تھا یا ان کے علاوہ، چھوٹے جانوروں کا شکار کیا یا بڑے کا، یہ محرم اصرار کرتا ہے یا پشیمان ہوا، رات کو شکار کیا ہے یا دن کو، عمرہ کا احرام باندھے تھا یا حج کا؟"

یحییٰ قاضی القضاۃ ہے اس لئے ضرور ان کی نظر فقہی موشگافیوں پر ہونی چاہئے لیکن جب حامل علم لدنی، زند منبر سلونی کے دہن اقدس سے یہ فروعات سنی حیران و ششدر رہ گیا گویا ہوش اڑ گئے، پیشانی ندامت

سے شرمسار ہوگئی اور لوگوں پر 'علمی سمجھ' کا لگا ہوا پہرا ادا ہو گیا اور یکایک دربار خلافت میں تالیاں بجنی شروع ہو گئیں اور امام کی طرف مخاطب ہو کر احسنت احسنت، بہت خوب، بہت خوب، واہ واہ کے نعرے بلند ہونے لگے۔ اس کے بعد مامون نے امام سے درخواست کیا کہ لوگوں کے فائدہ کے لئے اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

حضرت امام تقی علیہ السلام : ''اگر شکار کرنے والا احرام باندھنے کے بعد 'حل' میں شکار کرے اور وہ پرندہ ہو تو اس کا کفارہ ایک بکری ہے اگر 'حرم' میں ایسا شکار کیا گیا تو دو بکریاں اور کسی بہت چھوٹے پرندے کو 'حل' میں مارا ہے تو کفارہ میں دنبہ کا وہ بچہ ہے جو دودھ چھوڑ چکا ہو۔ اگر 'حرم' میں کیا ہے تو اس پرندہ کی قیمت اور ایک دنبہ کفارہ میں دے گا اور اگر وہ شکار چوپایہ ہے تو اس کی مختلف صورتیں ہیں اگر گدھے کو ہلاک کیا ہے تو ایک گائے، شتر مرغ ہے تو ایک اونٹ اور ہرن ہے تو بکری کا کفارہ واجب ہوگا۔ یہ حل میں کئے گئے شکار کا کفارہ ہے۔ لیکن اگر حرم میں یہ فعل سرزد ہوتے ہیں تو کفارہ دوگنا ہو جائے گا۔ احرام اگر عمرے کا ہے تو مکہ میں بشکل قربانی کفارہ واجب الادا ہوگا نیز اگر حج کا احرام ہے تو منیٰ میں قربانی کرے گا۔ اس مسئلہ میں عالم و جاہل دونوں برابر ہیں۔ آزاد شخص اپنا کفارہ خود ادا کرے گا۔ غلام کا کفارہ اس کا مالک دے گا اور جو اپنے فعل پر نادم ہوگا وہ آخرت میں عذاب سے بچ جائے گا ورنہ اصرار کی صورت میں عذاب میں مبتلا ہونا ضروری ہے۔

یہ وضاحت سن کر ہر چہار جانب سے مرحبا و احسنت کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ عباسیوں کو اپنے نمائندہ یحییٰ بن اکثم کی ذلت آمیز شکست نصیب ہوئی۔ دراصل آل محمد علیہم السلام کسی تعلیم اور تربیت کے محتاج نہیں بلکہ خود حضرت علیہ السلام نے اپنے صاحب علم و فضل و کمال ہونے کا اعتراف کروا ہی لیا۔ حقیقت

میں اس گھرانے کی بات ہی منفرد ہے جہاں پیدا ہونے کے بعد ابوالائمہ مولود کعبہ آغوش رسالت میں آنے کے بعد توریت، انجیل، زبور اور قبل نزول قرآن، قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ہیں۔

ہزاروں درود و سلام حضرت امام محمد تقی علیہ السلام پر جنھوں نے یحییٰ بن اکثم کے ''علمی غرور'' کو ''ذلت آمیز شکست'' میں بدل دیا نیز اپنا علمی سکہ بٹھا دیا۔

محمد بن ابی العلا سے روایت ہے ان کا بیان ہے کہ جب میں یحییٰ بن اکثم قاضی سامرہ سے علوم آل محمد علیہ السلام کے متعلق خوب بحث و مناظرہ اور گفتگو کر چکا تو اس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک دن میں قبر نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے طواف کے لئے پہنچا تو دیکھا کہ محمد بن علی الرضا علیہ السلام بھی قبر نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا طواف کر رہے ہیں میرے ذہن میں چند مسائل تھے۔ میں نے آپ سے اس کے متعلق بحث کی اس کے بعد کہا میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اور اس کے پوچھنے میں مجھے کوئی شرم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا میں تمھارے پوچھنے سے پہلے ہی بتادوں کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ تم یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ امام زمانہ کون ہے؟ میں نے کہا قسم بخدا میں یہی پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ امام زمانہ میں ہوں۔ میں نے کہا علامت کیا ہے؟ آپ کے ہاتھ میں اس وقت ایک عصا تھا وہ عصا بول اٹھا کہ میرا یہ آقا ہی امام زمانہ ہے اور یہی حجۃ اللہ ہے۔

(بحار الانوار۔ ج:۹۔۴۳)

حیات پیغمبر اسلام میں سنگریزہ نے جہاں رسالت کا اقرار کیا وہیں دور امامت میں امام کے ہاتھ میں عصا نے بھی امامت کی گواہی دی۔ یہ سنگریزے اور عصا کا کمال نہیں ہے بلکہ نبی اور امام کے ہاتھوں میں سنگریزہ اور عصا کو کمال نصیب ہوا کہ صامت ناطق نبی کے صاحب شرف بن گئے۔

☆☆☆

حضرت امام علی نقی علیہ السلام ......دسویں حجت حق

حضرت کا اسم گرامی علی اور القاب میں مشہور و معروف نقی ہے۔ قائم، امین اور طیب، ناصح، ہادی بھی ہیں۔ آپ کو ابوالحسن ثالث بھی کہتے ہیں روایت کے مطابق ابوالحسن اول امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور ابوالحسن ثانی ہمارے آٹھویں امام علی رضا علیہ السلام ہیں، صرف ابوالحسن سے ابوالائمہ حضرت علی علیہ السلام مراد ہیں۔ آپ کے پدر بزرگوار حضرت محمد تقی علیہ السلام ہیں۔

خوشگوار حالات میں شخصیت کی عظمت کا پتہ نہیں چلتا۔ کسی بھی انسان کی شخصیت یا کردار کی بلندی مصائب کے ہجوم میں ہی نکھر کر سامنے آتی ہے لیکن مصائب کی بارش میں بھی حضرت امام علی نقی علیہ السلام ثابت قدم رہے۔ حالات کی سنگینی، متوکل کے مظالم کو درج ذیل واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ متوکل کو اہلبیت علیہم السلام کی فرد کے مقابلہ میں اپنے بچوں سے کتنی محبت تھی اور اہلبیت علیہم السلام کے ماننے والوں سے کیسا بغض و حسد تھا۔ مشہور شیعہ شاعر اور بلند پایہ ادیب "ابن سکیت" جنہیں لوگ ادبیات عرب کا امام کہتے تھے، متوکل کے فرزندوں کے استاد تھے۔ ایک روز متوکل اپنے دونوں بیٹوں "معتز اور موید" کی طرف اشارہ کر کے ابن سکیت سے دریافت کیا کہ میرے یہ دو فرزند تمہیں زیادہ عزیز اور محبوب ہیں یا حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام؟ ابن سکیت نے فوراً جواب دیا مجھے ان دونوں کی بہ نسبت قنبر (حضرت علی علیہ السلام کے وفادار غلام) زیادہ عزیز اور محبوب ہیں۔ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح متوکل نے بل کھا کر حکم دیا کہ ابن سکیت کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے۔ اسطرح ۵۸ سال کی عمر میں اس نامور ادیب، دلیر اور بیباک شاعر کی شہادت واقع ہوگئی۔

اہلبیت کرام علیہم السلام کے دامن سے متمسک رہنا متوکل کے زمانے میں بہت مشکل تھا، یہ طرح طرح کی اذیتیں دے کر لوگوں کو ان ذوات مقدسہ سے دور رکھتا تھا۔ ایسے حالات ہو گئے تھے کہ لوگوں نے

پنی جان کے خوف سے خاندان اہلبیت علیہم السلام کے افراد کے ساتھ حسن سلوک تک کرنا بند کر دیا تھا۔ یسے پُر آشوب زمانہ میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے اسلام کے اصول پر نہ صرف عامل رہے بلکہ بلا ف دخطر مذہب اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اور لوگوں کے دلوں پر اصل حکمرانی بھی کرتے رہے۔

متوکل کی مسائل سے ناواقفیت:

میہ کاتب جو سُرَّ مَنْ رائے کی واقعہ نگاری پر مامور تھا، کا بیان ہے کہ اسکے ساتھ اچھے خطیبوں کی تعداد جمع ہوتی تھی ان میں عباس بن لہد کی اولاد کا ایک شخص بھی جاتا تھا جس کا لقب ہریسہ تھا۔ جسکی متوکل بہت تحقیر کیا کرتا تھا۔ ایک جمعہ کو متوکل نے ہریسہ کو خطبہ دینے کا حکم دیا۔ ہریسہ نے منبر پر جا کر بہت عمدہ خطبہ دیا قبل اسکے کہ وہ منبر سے اترے متوکل خود نماز پڑھانے مصلے پر پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر ہریسہ منبر سے اترا اور آگے بڑھ کر پیچھے سے اس کا گلہ پکڑ لیا اور بولا: اے امیرالمومنین! تمہیں معلوم نہیں کہ جو جمعہ کا خطبہ پڑھتا ہے وہی جمعہ کی نماز بھی پڑھاتا ہے۔ یہ سن کر متوکل بولا: میں نے تو چاہا تھا کہ تمہیں شرمندہ کروں مگر تم نے مجھ ہی کو شرمندہ کر دیا۔

ہوا اور احترام امام علیہ السلام:

ایک مرتبہ آل محمد علیہم السلام کے دشمنوں میں سے ایک شخص نے متوکل سے کہا: "اے امیرالمومنین! آپ علی علیہ السلام بن محمد علیہ السلام کے ساتھ جتنے احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں اتنا کوئی پیش نہیں آتا۔ آپ کے گھر کا ہر فرد ان کی خدمت میں لگا رہتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جب وہ آتے ہیں تو کوئی بڑھ کر ان کے لئے دروازہ کھولتا ہے، کوئی بڑھ کر دروازے کا پردہ اٹھاتا ہے اور یہ ایک ایسا عمل ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر خلافت کے حقیقی مستحق یہ نہ ہوتے تو ہرگز ان کا احترام نہ کیا جاتا۔ لہٰذا متوکل کے خادموں نے یہ طے کر لیا کہ اب ان کے لئے دروازے کا پردہ کوئی نہیں اٹھائے گا، یہ کام وہ خود ہی کریں گے۔ جس طرح دیگر افراد خانہ وغیرہ گھر میں داخل ہوتے ہیں اسی طرح علی علیہ السلام بن محمد علیہ

السلام بھی داخل ہوں۔ ادھر متوکل کا حکم تھا کہ ہمیں ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ کی خبر دی جائے لہٰذا اسی لئے واقعہ نگار نے لکھا کہ جب علی بن محمد علیہ السلام تشریف لائے تو کسی خادم نے بڑھ کر دروازہ کا پردہ نہیں اٹھایا بلکہ ہوا کا ایک جھونکا آیا جس نے آپ کا استقبال کیا اور پورا پردہ اٹھ گیا۔ آپ اندر داخل ہو گئے جب متوکل کو بتایا گیا تو اس نے کہا جب وہ باہر جانے لگے تو کیا ہوا۔ واقعہ نگار نے لکھا کہ آپ باہر نکلنے لگے تو پہلی ہوا کے مخالف ایک ہوا کا جھونکا آیا۔ اس نے پردہ اٹھایا اور آپ باہر چلے گئے۔

متوکل نے کہا ہم یہ نہیں چاہتے کہ ان کے استقبال میں پردہ اٹھائیں۔ اس سے تو ان کی فضیلت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔ لہٰذا تم لوگ خود ہی پردہ اٹھا دیا کرو۔ (بحار الانوار۔ جلد:۹، ص ۱۲۸)

ہندی زبان کا وجود:

ابو الہاشم جعفری سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت ابو الحسن امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے مجھ سے ہندی میں گفتگو فرمائی مگر میں آپ کی گفتگو نہ سمجھ سکا۔ آپ کے سامنے کچھ کنکریاں پڑی ہوئی تھیں، آپ نے ان میں سے ایک کنکری اٹھائی منہ میں ڈالی اور میری طرف پھینک کر فرمایا: اے ابو الہاشم! اس کو چوسو، میں نے اٹھا کر منہ میں رکھ لیا، کچھ دیر اس کو چوستا رہا، اس کے بعد جب میں آپ کے پاس سے اٹھا تو میں تہتر زبانوں میں گفتگو کر سکتا تھا۔ جن میں ہندی زبان بھی تھی۔ (بحار الانوار۔ جلد ۹۰، ص ۱۲۶)

عبادت و بندگی:

حائری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ عبادت پروردگار کی شدید محبت کی بنا پر آپ راتوں کو آرام نہیں کرتے تھے۔ اور تھوڑی دیر کے علاوہ آپ سوتے نہیں تھے۔ آدھی رات کو کنکروں اور ریگزاروں پر بیٹھتے اور عبادت، استغفار اور تلاوت میں رات بسر کرتے تھے۔

مال کثیر کا تعین:

سبط ابن جوزی صاحب خواص الامۃ کہتے ہیں. یحییٰ بن ہرثمہ کہتا ہے کہ امام ہادی کے سامرا منتقل ہو جانے کے چند روز بعد متوکل بیمار ہوا۔ حالت مرض میں اس نے یہ نذر کی کہ اگر اس مرض سے شفا پا گیا تو مال کثیر صدقے میں دیگا۔ چند روز کے بعد اس نے شفا پائی۔ فقہا و علمائے شہر سے دریافت کیا کہ مجھے کتنا مال تصدق کرنا چاہئے؟ اور کتنی رقم دینے سے میری نذر پوری ہو جائے گی؟ ان میں کسی نے بھی درست اور صحیح جواب نہیں دیا۔ اس نے ایک شخص کو علی ہادی علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا اور مسئلے کو پیش کیا۔ امام نے جواب دیا کہ اسے چاہئے کہ تراسی درہم تصدق کرے۔ متوکل نے اس حکم کی دلیل پوچھی، امام نے جواب میں فرمایا کہ قرآن مجید اسلامی جنگوں میں ربانی تائیدات کو صفت کثیر سے توصیف کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ **لقد نصر کم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین** خداوند تعالیٰ نے کثیر مقامات پر تمھاری مدد کی اور حنین کے روز بھی۔ اور معلوم ہے کہ جو جنگیں اور غزوات پیغمبر اسلام کو پیش آئی ہیں ان کی تعداد تراسی سے زیادہ نہیں تھیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۷ بار غزوہ کے لئے لشکر ترتیب دیا ہے جن میں سے آخری جنگ غزوہ حنین تھیں۔

تمام فقہا اور خود متوکل اس جواب سے بہت زیادہ متعجب اور خوش ہوئے اور متوکل نے بہت زیادہ مال امام کی خدمت میں بھجوایا۔ امام نے اس کے لینے سے انکار فرمایا اور فرمایا کہ یہ ایک نذر واجب ہے اس مال کو تم خود جہاں چاہو تصدق کرو۔ (اہلبیت اطہار کی مختصر سوانح حیات۔ ص:۲۳۶)

☆☆☆

حفاظتِ قرآن اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

الٓمٓ ذٰلِکَ الکِتَابُ لَارَیبَ فِیهِ هُدًی لِّلمُتَّقِینَ ۔(الم ۔۱)

الٓم۔ یہ وہ کتاب ہے جسمیں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے یہ صاحبان تقویٰ کیلئے ہدایت ہے۔

قرآن کریم ہی وہ بزرگ وبرتر کتاب ہے جو ہر شک سے بالاتر ہے۔ ذرہ برابر بھی شک نہیں کیا جاسکتا اور جو صاحبان تقویٰ ہیں ان کیلئے ہدایت ہے۔ اس آیت میں دو باتوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے ایک کتاب ہے دوسرے ہدایت۔ کتاب میں شک کی گنجائش نہیں اور ہدایت کے لئے متقی ہونا ضروری ہے۔ جب کتاب میں شک کی گنجائش نہیں ویسا ہی صاحب کتاب ہونا چاہئے جس میں بھی شک کا گزر نہ ہو اور جو متقی ہوگا اسے کتاب بھی فائدہ پہنچائیگی۔ نتیجہ کے طور پر قرآن سے استفادہ کرنے کیلئے خدا کا ڈر ہونا ضروری ہے اور یہی تقویٰ کتاب سے ہدایت کا سبب قرار پائے گا۔

ایک مرتبہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام عبداللہ بن عباس کو خوارج سے بحث کرنے کے لئے بھیجتے ہوئے فرماتے ہیں:

لا تُخَاصِمُهُم بالقرآن فان القرآن حمالٌ ذو وجوه تقول و يقولون و لكن حاججهم بالسُنَّةِ فانّهم لن يجدوا عنها محيصاً۔ (نہج البلاغہ الرسائل ۷۷)

''تم ان سے قرآن کے ذریعہ بحث نہ کرنا کیونکہ قرآن بہت سی جہتوں کو لئے ہے تم کچھ کہو گے، وہ کچھ کہیں گے۔ بلکہ ان کے سامنے سُنّت کے ذریعے استدلال کرنا کیونکہ وہ ان سے راہ فرار اختیار نہیں کرسکتے۔ قرآنی فکر کو سمجھنے کیلئے پاکیزگی قلب ضروری ہے یہی سبب ہے کہ جو خدا سے ڈرتے ہیں ان

کیلئے ہی یہ ہدایت ہے۔''

دراصل معنی ومطلب کے اعتبار سے جو مختلف جہتیں پائی جاتی ہیں، قاری اپنے ذہن کے اعتبار سے قرآن کی تفسیر کررہا ہے اور جو خود سمجھ لیا اسے ہی حرف آخر بھی جان لیا ہے جس کے سبب غلط تفسیریں رائج بھی ہوگئی ہیں ایسا ہی ایک واقعہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا۔

اسحاق کندی نامی شخص جو کہ عراقی فلسفی تھا اس نے اپنے زمانہ میں ایک کتاب تناقض القرآن ترتیب دی، اس کتاب کی تصنیف کے لئے اتنا محو تھا کہ اس نے لوگوں سے میل جول بند کردیا اور کنارہ کشی بھی اختیار کرلی اور اپنے ہی گھر میں رہتا اور ہمیشہ اسی تصنیف کے کام میں مصروف رہتا۔ یہاں تک کہ ایک شاگرد امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں آیا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ اگر میں تمھیں کوئی بات بتادوں تو کیا تم وہ اس تک پہنچا سکو گے؟ اس نے عرض کی جی ہاں!۔ فرمایا: اس کے پاس انس ومحبت اور قربت حاصل کرو اور جب حد سے سوا الفت پیدا ہوجائے تب ان سے کہنا استاد ایک مسئلہ میری نظر میں ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ تم سے پوچھ لوں پھر وہ کہے گا کہو کیا بات ہے پھر تم اس سے کہنا کہ تمھارے پاس ایسا کوئی شخص آئے اور قرآن کے متعلق گفتگو وبحث کرنے آئے اور کہے کہ کیا یہ جائز وممکن ہے۔ قرآن کے معنی جو تم مراد لو وہی مراد خدا کی بھی ہو۔ وہ جواب میں کہے گا ہاں یہ ممکن ہے کیونکہ وہ ایسا شخص ہے جو بات کو سنتا ہے اسے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے علمی غرور میں بات کو نظر انداز نہیں کرتا۔ پس اس سے کہنا کہ شاید خداوند عالم نے قرآن میں اس معنی کے سوا کوئی اور معنی مراد لیا ہو جو معنی تو نے اس کا لیا ہے۔ اسی سے خدا کی مراد ومقصد سمجھا ہے۔ پس امامؑ نے جیسی تعلیم دی تھی شاگرد اسی کے مطابق اسحاق کندی کی خدمت کرتا رہا اور کافی انس ومحبت بھی پیدا کرلیا پھر اس نے اس مسئلہ کو چھیڑ دیا۔ کندی کہنے لگا ذرا اس بات کو دوبارہ کہو اس نے پھر بیان کیا۔ اپنی عادت کے مطابق اس نے

غور وفکر کیا اور اپنی فکر کی بنیاد پر جائز قرار دیا کہ ہوسکتا ہے کوئی دوسرا معنی مراد ہو۔ اسحاق کندی نے کہا میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ بتا یہ مسئلہ تجھے کس نے تعلیم دیا ہے؟ وہ شاگرد کہنے لگا یونہی میرے دل میں یہ خیال آیا لہٰذا کہہ دیا۔ کندی کہنے لگا یہ ممکن نہیں کہ تیرے ذہن میں اس قسم کی بات آئے کیونکہ یہ ایسا کلام ہے جو تجھ سے ممکن نہیں بلکہ یہ صاحب علم وکتاب کی بات ہے بتا یقیناً یہ بات تجھے کسی نے بتائی ہے؟ شاگرد سے رہا نہ گیا اور واضح کردیا کہ یہ بات امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے بتائی ہے۔ کندی کہنے لگا واقعاً یہ وہی خانوادہ بیان کرسکتا ہے۔ اسحاق کندی نے آگ منگوائی اور جو کچھ تالیف کرچکا تھا سب کو جلا دیا۔ (احسن المقال ج۔۲ص ۲۸۹)

قرآن پر ہونے والے اعتراض اور اسکا جواب اور حقیقی علم قرآن پر امام کی نظر ہوتی ہے۔ لیکن جواب دینے کے لئے کتنی پرحکمت ترکیب استعمال فرمائی کہ معترض بھی خاموش ہوگیا، مدلل جواب مل جانے پر لکھی ہوئی کتاب کو آگ میں ڈال دیا اور ساتھ ہی خانوادہ عصمت وطہارت کی فرد امام حسن عسکریؑ کی شان میں تعریفی کلمات بھی اسحاق کندی نے جاری فرمایا یہ بھی حفاظت قرآن کا ایک طریقہ کہنا چاہیئے کہ براہِ راست ہدایت نہ کرتے ہوئے آپ نے شاگرد کے ذریعہ اسحاق کندی کی ہدایت فرمائی گویا امام حسن عسکری اس آیت پر مکمل عامل نظر آتے ہیں:

اُدعُ الیٰ سبیل ربک بالحکمته والموعظة الحسنة۔

اسحاق کندی کو دلیل بھی ایسی دی کہ وہ دم بخود ہوکر اپنے نظریہ کو بدل دیا۔

قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين

قرآنی نظریہ ہے اگر تم سچے ہو تو دلیل لاؤ امام نے دلیل فراہم کرکے اپنی صداقت کا لوہا بھی منوالیا۔ حضرت کی زندگی پر نظر ڈالیں تو خلیفۂ وقت کی جانب سے، ہمیشہ قید وبند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں رہیں

باوجود اس کے اپنے فریضہ سے غفلت نہ برتی بلکہ ایک ایسے انوکھے طریقے سے حفاظت قرآن فرمائی کہ اسحاق کندی نے اس کتاب کو آگ میں جلا دیا۔

یہ بات تاریخ میں ثبت ہے کہ جب بھی قرآن مجید اور مسلمانوں پر آفت کے پہاڑ ٹوٹے ہیں اہلبیت کرام کی کسی نہ کسی فرد نے ڈوبتی کشتی کو پار لگا دیا۔ اسحاق کندی اپنے نظریات کے ذریعہ سے دنیا کو گمراہ کرنے کی سوچ رہا تھا حضرت حسن عسکریؑ نے شاگرد کے ذریعہ اٹھنے والے طوفان کا سد باب کردیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حفاظت قرآن فرمادیا۔

اے رب العزت ہمیں ایسا ہی جذبہ عنایت فرما کہ ہر لحہ ہم حفاظت قرآن اور تعلیمات اہلبیتؑ طاہرین پر عمل کرتے رہیں۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆

ذکر مہدی علیہ السلام..........قرآنی آیات میں

و جعلنهم ائمة یهدون بامرنا ......(انبیا:۷۳)

اورہم نے انہیں امام قرار دیا جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں۔امامت عقیدۂ قرآنی ہے۔امامت کی ذمہ داری خدا کا حکم نافذ کرنا اور لوگوں کی ہدایت کرنا ہے۔فی زمانہ بھی امام کا ہونا ضروری ہے جو لوگوں کی ہدایت خدا کے حکم سے کررہا ہو۔اور جب یہ خدائی منصب ہے تو امام بھی اسی کی جانب سے معین ہونا چاہئے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا اپنی زندگی میں ائمہ معصومین علیہم السلام کا تعارف کرواتے رہے اور مختلف نشستوں میں نام بھی لوگوں کو بتایا کہ میرے بعد کون کون جانشین ہوں گے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی و رسول آیا اور نہ آئے گا۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد شریعت مقدسہ کی نگہداشت، دین وملت کی حفاظت اور دنیا کی ہدایت کے لئے وجود امام سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا۔رسول کے بعد بارہ امام ہوئے اور بارہویں امام اس وقت بھی موجود ہیں جن کا مشہور لقب مہدی علیہ السلام ہے جن کا ظہور کا عقیدہ برادران اہلسنت بھی رکھتے ہیں۔

ایحسب الانسان ان یترک سُدًی (سورۃ القیامت ۳۶)

''کیاانسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو بے سردار چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے نفس وخواہش کے مطابق جو چاہے کرے'' کم از کم اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی ہے جو لوگوں کو کنٹرول کرتا ہے، خیر اور بھلائی کی باتیں بتاتا ہے، خیر اور بھلائی کی طرف ہدایت کرنے والے سوائے امام علیہ السلام کے کون ہوسکتا ہے؟ پھر

یف حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ذکر قرآنی آیات سے ثابت ہے۔درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں۔اس کے علاوہ بھی اور مزید آیتیں ذکر مہدی علیہ السلام میں موجود ہیں۔

۱۔ **امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء**۔(سورہ نمل آیت۶۲)

''اس آیت کے ذیل میں امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ آیت آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائم کی شان میں نازل ہوئی ہے۔خدا کی قسم آپ ہی وہ مضطر ہیں کہ جب آپ مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کریں گے اور اللہ تعالی سے دعا مانگیں گے خدا آپ کی دعا کو مستجاب کرے گا اور ان کی سختیوں کو دور کرے گا اور آپ کو زمین میں خلیفہ معین کرے گا۔''

(تفسیر علی بن ابراہیم قمی۔ج:۲،ص:۱۲۹)

۲۔ **و لہ اسلم من فی السموات و الارض طوعاً و کرھاً** (سورہ آل عمران:۳۸)

''حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان فرمائی ہے۔جب قائم کا ظہور ہوگا اس وقت زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہوگا جہاں سے **اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ** کی صدا نہ آرہی ہو۔'' (بحار۵۲،ص:۳۴۰)

۳۔ **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و لو کرہ المشرکون** (سورہ صف:۹)

''وہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کردے گرچہ مشرکوں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔''

خداوند عالم کا یہ وعدہ حضرت ولی عصر علیہ السلام کے ذریعہ ہی پورا ہوگا۔

۴۔ یوم ندعوا کل اناس بامامھم (سورہ بنی اسرائیل:۷۱)

''اس روز (یعنی قیامت کے روز) ہر قوم کو اس کے امام ور ہبر کے ساتھ بلائیں گے۔''

یہ ہمارے لئے بابرکت بزرگ امام مہدی علیہ السلام ہیں۔

۵۔ یا ایھاالذین امنوا اصبروا و صابروا و رابطوا و تقوا اللہ لعلکم تفلحون۔
(سورہ آل عمران.۲۰۰)

''اے ایمان والو! (دنیا کی تکلیفوں) کو جھیل جاؤ اور دوسروں کو برداشت کی تعلیم دو اور رابطہ قائم رکھو (اپنے امام وقت سے) اور خدا سے ڈرتے رہو (اپنی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں) تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

اس آیت کی تفسیر میں اہل سنت کے مشہور عالم حافظ قندوزی حنفی اپنی کتاب ''ینابیع المودۃ'' (ص: ۶۔۵) میں امام باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں۔

''واجبات کی ادائیگی پر صبر کرو اور دشمنوں کے ظلم وستم کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو اور اپنے امام مہدی علیہ السلام المنتظر سے رابطہ قائم رکھو۔''

اسی طرح کی تفسیر امام صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔ امام ارشاد فرماتے ہیں:

''اپنے دین کے سلسلے میں صبر کرو اور اپنے دشمنوں کے مقابلے میں صبر کرو اور اپنے امام سے رابطہ قائم رکھو۔'' (تفسیر المیزان۔ص:۲۰)

۶۔ بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مؤمنین (سورہ ہود:۸۵)

''خدا کا بقیہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم صاحب ایمان ہو۔''

بقیۃ اللہ، ہر وہ شئے ہے جسے خدا نے کسی خاص موقع کیلئے بچا کر رکھا ہو اور اسی لئے روایات میں امام عصر علیہ السلام کو بقیۃ اللہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے کہ پروردگار عالم نے انھیں آخری انقلاب اور زمانہ کی واقعی اصلاح کیلئے بچا کر رکھا ہے۔ جیسا کہ ابن صباغ مالکی نے فصول مہمہ میں نقل کیا ہے۔ (نقل از انوار القرآن)

۷۔ انما انت منذرٌ و لکل قوم ھاد۔ ''ہر قوم کے لئے ایک ھادی اور رہبر ہے۔''

من جانب اللہ ہر زمانہ میں ایک ھادی کا ہونا ضروری ہے اسی لئے زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رہتی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ حجت امام مہدی علیہ السلام ہیں۔

۸۔ یا ایھا الذین امنوا اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم (سورہ نساء۵۹)

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی''

تمام شیعہ مفسرین کا متفق علیہ نظریہ ہے کہ اولی الامر سے مراد ائمہ معصومین علیھم السلام ہیں۔ اس لئے صاحب امر حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں جن کی اطاعت ہر صاحب ایمان پر فرض ہے۔

۹۔ الذین یؤمنون بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ و مما رزقنٰھم ینفقون (بقرہ:۳)

''وہ لوگ کہ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے دیا ہے اسے خرچ کرتے ہیں۔''

اس آیت میں صرف ہمارا موضوع غیبت ہے۔

نور الثقلین جلد اول ص ۳۱ میں نقل کیا ہے کہ اس آیت میں غیب سے مراد امام غائب حضرت مہدی سلام اللہ علیہ ہیں۔ امام مہدی علیہ السلام زندہ وسلامت ہیں لیکن نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔

۱۰۔ فامنوا باللہ و رسولہ و النور الذی انزلنا و اللہ بما تعملون خبیر (تغابن۔۸)

"پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جسے اس نے نازل کیا۔

خدا ان چیزوں سے واقف ہے جو تم کرتے ہو۔"

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری حج سے لوٹے اور جو خطبہ دیا جب یہاں پہنچے تو فرمایا وہ نور مجھ میں ہے پھر علی میں۔ اس کے بعد اس کی نسل میں یہاں تک کہ "قائم مہدی" پر ختم ہوگا۔

پروردگار۔ ظہور حضرت ولی عصر میں تعجیل فرما۔ آمین ثمہ آمین

☆☆☆

نہج البلاغہ ایک معرکتہ الآراء تصنیف

نہج البلاغہ کو مرتب کرنے کا کام جنھوں نے کیا ہے ان کا نام حضرت علامہ محمد بن الحسین الموسوی الشریف المعروف بہ 'رضی' ہے۔ دراصل یہ کتاب مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کے خطبات وارشادات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے واقعاً علیؑ کے تمام خطبات وارشادات کے جمع کرنے میں بڑی عرق ریزی سے محنت کا مظاہرہ کیا ہے۔

کتاب نہج البلاغہ کا مطالعہ کرتے وقت سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کی فصاحت وبلاغت دکھائی دیتی ہے کیونکہ اس کتاب کی ہر چھوٹی بڑی عبارت اور ہر سطر اور ہر جملے میں فصاحت وبلاغت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ عبارتوں کو دلکش اور موثر الفاظ کے قالب میں کچھ اسطرح پیش کیا گیا ہے کہ اس میں شیرینی وحلاوت اور کشش وجاذبیت پیدا ہوگئی ہے۔ اس کتاب کی عبارتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ کلام الہی اور اقوال وارشادات محمدیؐ کے علاوہ دوسرا کلام نہیں ہے جو نہج البلاغہ میں درج شدہ اقوال علیؑ کی طرح جاذب ودلکش ولطیف اور موثر ہو۔

علماء کے درمیان ابن ابی الحدید کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ نہج البلاغہ کی شرح لکھنے والوں میں بھی ابن ابی الحدید امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ موصوف نے اپنی زندگی کے پچاس سال نہج البلاغہ کے مطالعے میں صرف کئے اور ۲۰ جلدوں پر مشتمل شرح نہج البلاغہ کی تالیف کا کام انجام دیا۔ نہج البلاغہ کی فصاحت وبلاغت کے نمونے کے طور پر ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ کی ۱۱ ویں جلد سے ایک اقتباس حاضر خدمت ہے جس میں ۲۱۲ کی شرح کے ذیل میں وہ کہتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے قرآن مجید کے سورہ ۱۰۲ سے اَلْهٰىكُمُ التکاثر حتی زرتم المقابر نامی آیات کی تلاوت کے بعد عبرت آموزی کے موضوع پر نہایت غیر معمولی خطبہ ارشاد فرمایا اس کے بعد ابن ابی الحدید مزید لکھتے ہیں۔ ''جو شخص کسی کی تنبیہ و بیداری کیلئے وعظ و نصیحت کے ذریعے اسے خوفزدہ و ہراساں کرنا چاہتا ہو اور دنیا کا حقیقی رنگ و روپ دکھانا چاہتا ہو اسے حضرت علی کے اس معرکتہ الآرا خطبہ کا بغور مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے تا کہ اس فصیح و دلکش خطبہ کی پیروی کرتے ہوئے اپنی بات کو زیادہ موثر انداز میں پیش کر سکے۔

نہج البلاغہ کے اس حصے کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنے میں زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ معاویہ نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ قریش کیلئے فصاحت و بلاغت کا راستہ علی کے علاوہ کسی دوسرے نے ایجاد و ہموار نہیں کیا۔ اگر عرب کے تمام فصحا ایک محفل میں جمع ہو جائیں اور ان کے سامنے یہ خطبہ پڑھا جائے تو حق کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ سب سر تسلیم خم کر دیں۔

اور یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے عرب کے ایک نامور شاعر علی ابن رقا کے اشعار جب ادیبوں اور شاعروں کی ایک محفل میں پڑھے گئے تو تمام شعرا سجدہ میں گر پڑے۔ ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ تم لوگوں نے سجدہ کیوں کیا؟ ان لوگوں نے کہا جس طرح قرآن کی تلاوت کرتے وقت بعض مواقع ایسے آتے ہیں کہ سجدہ لازمی ہو جاتا ہے اس طرح نہج البلاغہ اور شعرا کے اشعار میں بھی ایسے مراحل آتے ہیں کہ فصاحت و بلاغت شناس افراد جب اس جگہ پہونچتے ہیں تو سجدہ ریز ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسکے بعد ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

''میں حیران رہ جاتا ہوں کہ ایک شخص جب میدان جنگ میں خطبہ ارشاد فرماتا ہے تو ایسے الفاظ و کلمات کا انتخاب کرتا ہے جو شیروں اور بھیڑیوں کی طبیعت سے میل کھاتے ہوں اور وہی شخص

جب پند و وعظ اور نصیحت کیلئے زبان کھولتا ہے تو اس کی زبان سے وہی الفاظ نکلتے ہیں جو زاہدوں اور عبادت گزاروں کی طبیعت کے مطابق ہوں۔ درحقیقت حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کبھی تاریخ کے نامور ترین سورما کی شکل میں نظر آتے ہیں کبھی ان کی شخصیت میں فلسفی سقراط کی جھلک دکھائی دیتی ہے اور کبھی وہ عیسیٰ ابن مریم کی شکل میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔

دوسرے مقام میں ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

''میں تمام مقدسات عالم کی قسم کھاتے ہوئے کہتا ہوں کہ گذشتہ ۵۰ سال سے برابر اس خطبہ کو پڑھتا چلا آرہا ہوں اور میں اب تک ہزار مرتبہ سے زیادہ اس کو پڑھ چکا ہوں اس طولانی مدت کے دوران ہر مرتبہ اس خطبہ نے مجھے ایک نئے انداز سے متاثر کیا ہے اور ہر مرتبہ میرے اور میری روح پر خوف و لرزہ کی نئی کیفیت طاری ہوئی ہے اور ہر بار اس خطبہ کے بارے میں غور و فکر کرتے ہوئے میں نے اپنے نزدیکی افراد کے حالات کا مشاہدہ کیا ہے۔

دوسری جگہ خطبہ ۱۰۸ کی شرح کے ذیل میں ابن ابی الحدید کہتے ہیں: ''دقیق النظر اور باریک بین افراد کو اس خطبے میں موجود کلمات کی عظمت و بزرگی کے بارے میں غور و فکر کرنی چاہیئے کیونکہ یہ الفاظ انسان کے دل میں ایک خاص قسم کا رعب و دبدبہ پیدا کرتے ہیں۔ قدرے غور و فکر کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ایک ابو طالبؑ کے فرزند نے اپنے فصیح و بلیغ انداز بیان سے الہی مقاصد کی تکمیل اور اسلامی تعلیمات کی تبلیغ میں کتنی گراں قدر خدمت انجام دی ہے کبھی اپنے ہاتھ، کبھی اپنے اخلاق کریمانہ سے، کبھی زبان و منطق سے اور کبھی اپنے قلب اور اپنی فکر سے انسانیت کی خدمت انجام دی ہے۔ اگر جنگ و جہاد کی بات آتی ہے تو علی ابن ابی طالب سید المجاہدین نظر آتے ہیں، اگر خطبہ و تفسیر کی بات آتی ہے تو وہ رئیس الفقہا والمفسرین دکھائی دیتے ہیں اگر ہم توحید و

وحدانیت کا تذکرہ کرتے ہیں تو وہ موحدین کے امام و پیشوا معلوم ہوتے ہیں۔"جی ہاں! خداوند عالم کی ذات سے یہ بات بعید و حیرت انگیز نہیں ہے کہ وہ ایک فرد واحد کی شخصیت میں اس قدر صفات کو جمع کر دے۔

نہج البلاغہ ایک معرکۃ الآرا تصنیف کا دوسرا پہلو عقلی اور فلسفیانہ ہے۔ نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ جس وقت معرفت خداوندی کی بات کرتے ہیں تو ان کا کلام معراج کی بلندی کو چھونے لگتا ہے۔ حضرت علیؑ چیونٹی، ٹڈی اور مور جیسی مخصوص مخلوق کا ذکر کرتے ہیں لیکن جب بلندی سخن کی بات آتی ہے تو وہ انتہائی مہارت اور کمال کے ساتھ یہ بیان کرتے ہیں کہ خدا اول ہے، آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے۔ مطلق ہے، بسیط ہے، ابتداء اور انتہا ہے۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں :

"اسلام سے قبل عرب اکثر و بیشتر شراب، اونٹ اور جنگ وغیرہ کی بات کیا کرتے تھے وہ لوگ درحقیقت آسمان و ملائکہ، خدا و الٰہیات کی عقلی اور فلسفیانہ بحث کی طرف بالکل متوجہ نہ تھے۔ علی جامع الصفات وہ پہلے شخص ہیں جس نے حکمت الٰہی اور دیگر عقلی اور فلسفیانہ مباحث کو ترقی کی عظیم منزل عطا کی ہے۔

نہج البلاغہ وہ مقدس کتاب ہے جس کے مطالب الہام ربانی کا عطیہ ہیں تو اس کے الفاظ لسان اللہ کے تکلم کا اثر بھی۔

نہج البلاغہ وہ الہامی کتاب ہے جس کے حقائق و معارف بہ بانگ دہل آواز دے رہے ہیں کہ اس کا متکلم علم لدنی کا مالک اور علمہ البیان کا مصداق ہے۔

نہج البلاغہ امیر المومنینؑ کے ارشادات کا وہ مجموعہ ہے جس سے زیادہ بلند تر صحیفہ نہ اس سے

پہلے مرتب ہوا ہے نہ اس کے بعد ہونے والا ہے۔

نہج البلاغہ صاحب فصل الخطاب کے ارشادات کا وہ ذخیرہ ہے جس نے بلاغت کی دنیا میں ایک نئے نہج کی ایجاد کیا اور خطابت کو ایک نیا موڑ دیا ہے۔

نہج البلاغہ ایک ایسا ترجمان مشیت پروردگار کا کلام ہے جسے بجا طور پر تحت کلام الخالق و فوق کلام المخلوق کا درجہ دیا جاتا ہے۔

☆☆☆

مقاصد حج وقربانی

اِنَّ اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مُبٰرکا وھدی للعالمین فیہ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مقام ابراھیم . ومن دخلہ کان اٰمنا وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین .

"بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا ہے اور ہدایت تمام جہان کیلئے۔ اسمیں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں مقام ابراھیم اور جو اس میں داخل ہوا وہ مامون ہے اور لوگوں پہ اللہ کا حق ہے خانہ کعبہ کا حج کرنا جو اس گھر تک آنے کی قدرت رکھتا ہو اور پھر جو کفر اختیار کرے تو اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔" (سورہ آل عمران ۹۶ تا ۹۷)

اس آیت کے ذریعہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو مستطیع ہو جائے اس پر حج فرض ہے۔ مستطیع وہ ہے جس کے پاس مکے تک آنے جانے، قیام وطعام اور قربانی کا خرچ موجود ہو اور صحت کے اعتبار سے بھی سفر کرنے کے قابل ہو۔

خلیل خدا حضرت ابراھیم علیہ السلام جب کعبہ کی تعمیر مکمل کر چکے تو قدرت نے حکم دیا کہ:

"اب لوگوں کو حج کیلئے آواز دو۔ لوگ تمہاری آواز پر لبیک کہتے ہوئے دور دراز علاقوں سے سوار ہو کر آئینگے تا کہ اپنے منافع کا مشاہدہ کریں۔" (سورہ حج ۲۷)

خلیل خدا حضرت ابراھیم علیہ السلام نے گذارش کی پروردگار ایک انسان کی آواز ساری دنیا

ہق
نے لگتا ہے۔
وخدا کی طرف
یا کے طلب کی
بن ابن الوقتی کا
ان کے یہاں
ہے پرضیا نہیں
ہے کہ وہ اپنے
۔ علم وحکمت کی
ہے:
ے لے گا۔
بلکہ گم شدہ چیز کو

تک کس طرح پہونچ سکتی ہے؟ ارشاد الٰہی ہوا کہ تمہارا کام آواز دینا ہے آواز کا پہنچانا ہ
ہے۔ ہم اس آواز کو لوگوں کی صلبوں وارحام تک پہونچادیں گے۔

اسکی روشنی میں یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جن کی روحوں نے صلبوں
آواز پر لبیک کہی ہے وہی حضرات لبیک لبیک کہتے ہوئے خدا کے مہمان ہوتے ہیں
یہاں پہنچ جاتا ہے اس سے اس کا عقیدۂ توحید مزید مضبوط ہوتا ہے اور شکر گذار بھی
العالمین نے اسے خود بیت اللہ دیکھنے کا شرف عطا فرمایا۔

انسان جس وقت حج بیت اللہ کیلئے گھر سے نکلتا ہے صرف اور صرف نیت ہو
میں از حد خدا کی خوشنودی و برکت حاصل کی جائے جس کیلئے وہ اپنے اہل وعیال، اف
داروں کو چھوڑ کر مصائب و تکالیف برداشت کرتے ہوئے سفر الٰہی کیلئے نکل پڑتا ہے
انسان اپنے آپ کو گناہوں سے کوسوں دور رکھتے ہوئے نیکیوں کے امور ہر وقت ا
ایسی حالت میں خدا کا حکم حضرت ابراھیم علیہ السلام کی آواز صلبوں میں جو سن رکھی تھی
کہتا ہے لبیک اَللّٰھُمَّ لبیک لبیک لاشریک لک لبیک، ان الـ
لک والملک لاشریک لک۔ "میں حاضر ہوں اے میرے رب میں حا
ساری تعریفیں اور نعمتیں تیرے لئے ہیں اور ساری بادشاہی بھی، تیرا کوئی شریک نہیں
سفر اسے کثرت سے دھراتا رہتا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کو ہر لحہ یاد خد
اور پوری زندگی میں خدا کا ہی تصور رہنا چاہیئے۔

حالت احرام میں دنیا کے تمام افراد جو حج بیت اللہ کیلئے آئے ہوئے ہیں
ایک ہی لباس میں نظر آتے ہیں یہاں نہ مختلف رنگ نظر آتے ہیں اور نہ ہی مختلف

کالا گورے پر فخر کرسکتا ہے نہ کوئی گورا کالے پر، یہاں نہ کسی کی امیری سر اٹھا سکتی ہے اور نہ کسی غریب کا سر نیچا ہوسکتا ہے۔ احرام کی حالت میں سب ایک ہی لباس میں نظر آتے ہیں۔

عام حالات میں جو چیزیں انسان کیلئے حلال اور لائق استعمال ہوتی ہیں حالت احرام میں بیشتر چیزیں حاجی کیلئے حرام ہوجاتی ہیں مثلاً خوشبو کا استعمال، ناخن کاٹنا وغیرہ جبکہ یہ چیزیں عام حالات میں جائز ہیں لیکن ایک حاجی جب حالت احرام میں ہوتا ہے اس پر حرام ہوجاتی ہیں۔

حج بیت اللہ کا ایک بنیادی قانون یہ بھی ہے کہ جن افراد نے حج تمتع انجام دیا ہے وہ ایک جانور کی قربانی بھی دیں۔ اس کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جناب اسماعیل علیہ السلام کے بدلے میں جنت سے دنبہ آگیا تھا اور وہ قربان ہونے سے بچ گئے تھے لہٰذا امت اسلامیہ کا فرض ہے کہ تاسی حضرت ابراھیم علیہ السلام میں جانور قربان کردے ورنہ اگر اسمٰعیل علیہ السلام ذبح ہوگئے ہوتے تو امت کا فرض ہوتا کہ میدان منیٰ میں اپنی اولاد کی قربانی دیں اس لئے کہ کسی انسان کا فرزند، حضرت اسمٰعیلؑ سے زیادہ عزیز اور عظیم نہیں ہے اور جب راہ خدا میں حضرت اسمٰعیلؑ قربان ہوسکتے ہیں تو دیگر فرزندوں کی قربانی میں کیا تکلف ہے۔ قربانی کے معنی خدا سے قربت حاصل کرنے کے ہیں لہٰذا جانور قربان کرکے خدا سے تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔

یہ قدرت کا واقعتاً احسان ہے امت اسلامیہ پر کہ اسنے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے عوض ایک دنبہ بھیج دیا تھا ورنہ اعمال وارکان حج میں اولاد کی قربانی بھی شامل ہوتی تب ہر حاجی کو ایک فرزند کی قربانی پیش کرنا ہوتی۔ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ حج حضرت ابراھیمؑ کے راستہ اور انکے طریقہ پر چلنے، انکی روح کو اپنے اندر پیدا کرنے اور ہر جگہ اور ہر دور میں انکی دعوت کے پرچم کو بلند رکھنے کا پیغام ہے یہی پیغام مقصد حج ہے۔ حق کیلئے مسلسل کوشش اور تگ ودو کرنا اور وقت پڑنے پر کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کرنا ہی مقاصد حج وقربانی ہے۔

☆☆☆

تہذیب جدید میں اخلاق کا اثر

تہذیب جدید خود ایک مکمل بحث کا موضوع ہے۔ اس کے بارے میں کچھ تحریر کرنا ایسا ہے کہ سمندر کو کوزے میں سمیٹنے والی بات ہے۔ تہذیب جدید کسے کہتے ہیں؟ اسے ہم اور آپ کیونکر معین کرسکتے ہیں یا کوئی ایک فرد بھی معین نہیں کرسکتا ہے۔ مختلف افراد مختلف خیالات کے حامل ہوتے ہیں۔ جب جدید تہذیب پر گفتگو کی جائیگی لامحالہ قدیم تہذیب کو بھی نظر میں رکھنا ہوگا۔ اگر اصولی طریقہ سے زندگی گذارنا قدیم تہذیب ہے تو پھر غیر اصولی طور پر زندگی گذارنے کو جدید تہذیب تصور کریں؟ لیکن ایسا نہیں ہے۔ جیسے جیسے سائنسی آلات اور ایجادات فی زمانہ لباس انکشافات پہنے ہوئے منظر عام پر آرہے ہیں، اس سے متاثر ہوتے ہوئے اصولی طریقہ سے زندگی گذارنے کو جدید تہذیب میں داخلہ کا نام دے سکتے ہیں۔ جبکہ بہت سارے معمولات جوں کے توں ہیں۔ کثیر سائنسی ایجادات کے وجود میں آنے کے بعد بھی فرق نہیں آیا ہے۔ مثلاً کھانا پینا مروت، محبت، لوگوں کے ساتھ میل جول، غصہ، لڑائی جھگڑا، شادی بیاہ، تواضع وانکساری، خودغرضی، ظلم بیجا، کینہ پروری، حیات وموت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ تبدیلی کہیں دکھائی پڑتی ہے تو لوگوں کے طور طریقوں، غربت و امیری، اچھی معیشت میں خرچیلی شادی کا رجحان وغیرہ بھی شامل ہے۔ اگر عیش وعشرت، تعیش پسند زندگی کو جدید تہذیب کا نام دیں تو پھر فقر وفاقہ میں قناعت کرتے ہوئے زندگی بسر کرنے کو کیا قدیم تہذیب تصور فرمائیں گے؟ اخلاقی قدروں کا بدلنا اور اسکے نتائج پر بھرپور نظر رکھتے ہوئے فی زمانہ تہذیب کو جدید تہذیب کے عنوان سے جان سکتے ہیں لیکن یہ دھیان رہے کہ علمی دنیا بہت وسیع ہے اور

مختلف خیالات کے افراد بستے ہیں اس لئے نظریات بھی جدا جدا ہو سکتے ہیں۔ یہ بات بھی اتنی ہی درست ہے اپنی جگہ پر کہ آج کل کی زندگی مشینی زندگی بن کر رہ گئی ہے اور انسان نے اپنی فکری اور انقلابی قوتوں کے سہارے سمندر کا سینہ چاک کر ڈالا ہے۔ کون انکار کر سکتا ہے کہ سائنسی ایجادات ہمارے لئے بہترین سہولیات مہیا کروانے میں ایک اہم رول ادا کر رہی ہیں۔ دور مسافتوں کا سفر آن واحد میں طے کر رہے ہیں، مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کی آواز پل بھر میں سنائی دیتی ہے حالات سے آگاہی میسر ہے اسکے باوجود بھی تمدن وثقافت میں گراوٹ سے کون انکار کر سکتا ہے۔ برہنہ پن کو فیشن کا نام دیدیا گیا ہے اور عالمی مقابلۂ حسن ہونے لگا ہے۔ ڈانس کلچر کا ایک حصہ تصور کیا جا رہا ہے، غریبوں کو خاطر میں نہ لانا اور بزرگوں کا احترام نہ کرنا شان سمجھی جا رہی ہے۔ جھوٹ ایک آرٹ سمجھا جا رہا ہے، فریب دہی کو ہنر کا نام دیدیا گیا ہے ہر جائز ناجائز طریقہ سے روپیہ کمانا زندگی کا مقصد بن چکا ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

تہذیب نے جتنی ترقی کی　　اخلاق میں اتنی ہی کمی آئی

جدید تہذیب میں سب سے پہلے اہم رول ٹی وی ادا کر رہا ہے۔ ٹی وی پر جو اڈ وا ٹائیزمنٹ نشر کیئے جاتے ہیں سماج اور معاشرہ من وعن قبول کرنے میں پیچھے کیوں رہے۔ بڑوں سے زیادہ بچوں پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ بچے نئی نسل کے ہوتے ہیں ان میں یہی رچ بس جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر عمارت کھڑی ہوتی ہے لیکن یہ بھی سچائی ہے کہ ٹی وی زندگی کی ایک ضرورت بن گئی ہے اس سائنسی ایجاد کو زندگی سے ختم بھی نہیں کر سکتے ہیں لیکن اس کے استعمال پر کنٹرول ضرور رکھ سکتے ہیں لہٰذا اخلاقی قدروں کا استعمال کرتے ہوئے مناسب اور موزوں پروگرام کا دیکھنا، غلط فحش مناظر کو نہ دیکھنا، تعلیمی اثرات کو قبول کرنا غرضکہ مخرب اخلاق تقاریب سے پرہیز کرتے ہوئے جن سے اخلاق سنورتے

ہیں انہیں استعمال کر کے زندگی میں چار چاند لگائے جا سکتے ہیں۔ بالالفاظ دیگر برے صفات کو طلاق دے کر اچھے صفات سے مانوس ہو جانا ہدف اور مقصد ہونا چاہیئے اخلاق ہی وہ ایک علمی اسلحہ ہے جس کے توسط سے عالم کو ہمنوا بنایا جا سکتا ہے۔

در اصل ہم جس دور میں زندگی گذار رہے ہیں اور باقاعدگی سے سائنسی ایجادات سے استفادہ کر رہے ہیں اس تہذیب کے معاشرہ کو اگر پاکدامن رکھا جا سکتا ہے تو وہ اخلاق کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ اخلاق کی اہمیت کیلئے یہی بات کافی ہے کہ ہر پسماندہ وترقی یافتہ قوم چاہے وہ کسی دین و مذہب کا پابند ہو نہ ہو، اخلاقی فضائل وکمالات کو بڑے احترام وتقدس کی نظر سے دیکھتی ہے اور انسانی زندگی میں ہر مقام پر اسے اپنانا ناگزیر سمجھتی ہے اور جانتی بھی ہے کہ جب تک معاشرہ وسماج کے افراد تربیت یافتہ اور لباس اخلاق سے مزین نہ ہوں گے چاہے وہ سیاسی بلندیوں کے ہمالہ تک پہنچ جائیں وہ اپنے کو ترقی وبلندی تک نہیں پہنچا سکتے۔ تہلکہ اور چارہ گھوٹالہ گواہ ہیں۔ اور یہ بات تاریخ سے ثابت ہو چکی ہے کہ جس قوم کا سرمایۂ اخلاق میں اضافہ ہوتا رہا وہ قوم تمام قوموں میں ممتاز وسر بلند ہو کر کامیابی سے ہمکنار ہوتی رہی ہے بلکہ انقلاب زمانہ، دور پُرفتن دشمن کی ظالمانہ روش بھی با اخلاق قوم میں لغزش نہ پیدا کر سکی نتیجہ میں فریق مخالف کے یہاں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ حضور پرنور کے نواسے جو جوانانِ جنت کے سردار ہیں مسجد میں دیکھتے ہیں کہ ایک ضعیف وضو کر رہا ہے لیکن غلط طریقے سے۔ مگر دونوں نواسوں نے ضعیف کی اصلاح کا ارادہ کیا لیکن بزرگ کا احترام بھی رکھنا مقصود تھا۔ دونوں بھائیوں نے اس بزرگ سے فرمایا کہ ہم دونوں بھائی ہیں دونوں وضو کرتے ہیں دیکھیں کہ کون اچھا وضو کرتا ہے جب دونوں شاہزادوں نے وضو مکمل کر لیا تب بوڑھے نے دونوں شاہزادوں کو گلے سے لگا لیا کہ بہترین حکمت عملی اختیار کی گئی کہ میں نے

محسوس کرلیا کہ میرا وضو غلط تھا۔اس طرح بوڑھے کی ہدایت بھی ہوگئی اور بوڑھے کی دل شکنی بھی نہیں ہوئی۔تبلیغات کے لئے دور قدیم میں جب اتنے بہترین طریقے کی ضرورت محسوس کی گئی چہ جائیکہ سائنسی ایجادات اور انفرمیشن ٹیکنالوجی کے دور میں یعنی جدید تہذیب میں اخلاق کا ہونا بدرجہ اتم ضروری ہے جسکا اثر ہونا یقینی ہے۔اخلاق ہی وہ ہتھیار ہے جس سے کائنات عالم کو مسخر کیا جاسکتا ہے۔جیسا کہ حضور کی ابتدائی چالیس سالہ زندگی خود گواہ ہے کہ اللہ کے حبیب کو صادق وامین کہنے والے مسلمان نہیں بلکہ کفار قریش تھے۔

اخلاق کے بارے میں پیغمبر اسلامؐ سے عرض کیا گیا کس مومن کا ایمان افضل ہے؟ فرمایا جو خوش خلق ہو اور پھر فرمایا کہ "مجھ کو زیادہ دوست رکھنے والا اور روز قیامت میں مجھ سے نزدیک رہنے والا خوش خلق ہے۔ پھر فرمایا کہ حسن خلق گناہوں کو اس طرح کم کرتا ہے جیسے آفتاب برف کو پگھلاتا ہے۔انہیں بزرگوار سے مروی ہے کہ ممکن ہے کہ بندہ کم عبادت کرنے والا ہو اور حسن خلق کے ذریعہ آخرت میں درجات عظیم وبزرگی کی منازل پر پہنچے۔انہی حضرتؐ نے اپنی زوجہ ام حبیبہؓ سے فرمایا کہ خوش خلق دنیا وآخرت کی خوبی حاصل کرتا ہے۔انہی حضرت سے مروی ہے کہ حسن خلق اپنے صاحب کو اس شخص کے درجہ پر پہنچاتا ہے جو ہمیشہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو عبادت میں مشغول رکھے۔
(عروج السعادۃ ۳۶۹ص)

حضرت علیؑ سے سوال کیا گیا کہ مکارم اخلاق کی خصوصیات کیا ہیں۔آپ نے جواب دیا دس خصلتیں اخلاقی خوبیوں میں شمار کی جاتی ہیں سخاوت، حیا، صدق، امانت داری، تواضع، غیرت، شجاعت، بردباری، صبر، شکر۔(تجلیات حکمت ص ۱۶)

ہمارے سماج میں صرف اچھا بولنا بھلے مکر وفریب کے ساتھ جھک کر سلام کرنا ہی اخلاق مانا

جاتا ہے لیکن حضرت علیؑ کے ارشاد کے مطابق درج بالا دس چیزیں اخلاق میں شمار ہیں۔یہ تمام صفات خود اپنے مقام پر تفصیلی بحث کی متقاضی ہیں۔انسانی معاملات میں یہ تمام چیزیں بدن میں ریڑھ کی ہڈی کا مقام رکھتی ہیں۔لہٰذا اب یہ بات بلا جھجک کہی جاسکتی ہے کہ قدیم تہذیب میں جو اخلاقی روایت قائم تھی اسے جدید تہذیب میں بھرپور ڈھنگ سے قائم رکھنے کی ضرورت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

☆☆☆

کامیابی کی کلید......عمل صالح

اس بھری پری دنیا میں کون جینے کی آرزو نہیں کرتا۔ امیر و غریب، بیمار و صحت مند ہر کوئی چاہتا ہے کہ اسکی اپنی منشاء کے مطابق زندگی گذارتے ہوئے زندہ رہے۔ اسکے علاوہ کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو مقصد کے تحت زندگی گذارتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو بنا مقصد کے زندگی گذارنا فخر جانتے ہیں۔ یہ مشاہدہ فٹ پاتھ پر دیکھنے میں آتا ہے لیکن وہ افراد جو با مقصد زندگی گذارتے ہیں اپنا طرز زندگی بدلتے رہتے ہیں اور موجود ذرائع کو بھی اپنے مقصد کے تحت استعمال میں لے آتے ہیں ایک دن وہ آتا ہے کہ اپنی منزل مراد کو پہونچ جاتے ہیں پھر اسکے اظہار کے لیے خوشی بھی منانے میں پیچھے نہیں رہتے۔ خوشی منانے کا طریقہ جائز ہے یا ناجائز، منزل مراد جائز ہے یا ناجائز اس جانب قطعی متوجہ نہیں ہوتے مثلاً ورلڈ گنیز بک کا مطالعہ کریں تو نام بحثیت کارنامہ ہی شامل ہے لیکن زیادہ کارنامہ یا مقصد غلط ہے یا صحیح یہ خود ایک الگ مسئلہ ہے۔ لیکن اسلام کا ہی امتیاز ہے کہ وہ آزادانہ ماحول میں زندگی گذارنے کی اجازت دیتا ہے لیکن اپنے اصولوں میں مقیدرہ کر بولنے، لکھنے، پڑھنے، عمل کرنے پر ساری آزادیاں اسلام نے مہیا فرمائی ہیں لیکن کچھ مسلمہ اصولوں کے تحت جو انسان کے لئے مفید اور قابل عمل رہا وہ بلا جھجک استعمال کرنے کی اجازت دی گئی لیکن جو انسان کے لئے مضر تھا اور قابل استعمال بھی نہیں، اسلام نے اسے منع فرمادیا اسی کو اصطلاح میں بالترتیب حلال و حرام کے نام سے جانا جاتا ہے۔

با مقصد زندگی گذارنا ہی ہدف زندگی ہونا چاہیئے اب مقصد کا تعین ہم کریں اپنی عقل و شعور

کے مطابق یا ہمارا خالق کرے جو مدبر کائنات ہے۔ ظاہری بات ہے اس دنیا میں ہم خود نہیں آئے اور نہ اس لائق تھے کہ خود آجاتے اور اس قدر طاقت بھی نہیں کہ خود سے چلے جائیں۔ جب نہ آنا ہمارے بس میں ہے نہ جانا ہمارے بس میں، تو پھر ہمارے مقصد کے تحت زندگی گذارنا کب لائق تحسین گردانا جائے گا اسی لئے خدا جو مقصد حیات معین کردے وہی مقصد حیات رکھنا ہی ہماری زندگی کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

ہم غور کریں کہ خدا نے کیوں خلق فرمایا؟ خدا نے ہمارے لئے کیا مقاصد معین فرمائے ہیں؟ مقصد حیات معین کر کے طاقت و قدرت بھی عطا فرمایا کہ دیکھیں کون کیا کرتا ہے بجائے یہ کہ حقیر کچھ لکھے قرآن میں تلاش کرتے ہیں۔ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

وما خلقت الجن والانسان اِلّالیعبدون۔

اور نہیں پیدا کیا انسان و جن کو مگر خدا کی عبادت کے لئے۔

یہ بات واضح ہوگئی ہے ہماری خلقت کا مقصد عبادت خدا کیلئے ہے۔ لیکن انسانوں کو کیا کرنا ہے کہ کامیابی کے زینہ پر قدم رکھیں اور وسیع دنیا سے فیضیاب بھی ہوسکیں تو پھر قرآن مجید کا ہی سہارا لیتے ہیں:

الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا وھو العزیز الغفور ۔(سورہ ملک ۲)

''اس نے موت و حیات کو اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں حسن عمل کے اعتبار سے سب سے بہتر کون ہے اور وہ صاحب عزت بھی ہے اور بخشنے والا بھی ہے۔''

خلقت انسان سے مطالبہ ہے کہ تم میں بہترین عمل کرنے والا کون ہے، گفتگو حسن عمل کی ہے۔ عمل کرنا، تکرار عمل کرنا کمال نہیں ہے۔ جسکے من میں جو آیا وہ کرے، اپنی مرضی سے جو چاہے کرے یا وہ جو مرضی خدا ہے وہ کرے۔ آیت سے اسی بات کا پتہ چلتا ہے کہ خدا جس بہترین عمل کا

طالب ہے وہی عمل کرنا ہی خدا کا مقصود ہے اور ہاں اس کے علاوہ جو بے مقصد زندگی گذارتے ہیں کیا وہ انسان کہلانے کے بھی مستحق ہیں؟ نہیں۔ بلکہ وہ مثل جانور کے ہیں۔ حسن عمل، ہی پروردگار کا مقصد ہے ایک دوسرے مقام پر خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے:

من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃ طیبا۔

جو عمل صالح کرے چاہے وہ مرد ہو یا چاہے وہ عورت ہو مگر مومن ہو اسے ہم پاکیزہ زندگی جلائینگے۔

آیت اول میں بہترین عمل کا مطالبہ اور آیت دوم میں عمل کی جزا کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن شرط ہے مومن ہونا چاہئے۔ چاہے وہ مومن مرد ہو یا مومنہ عورت ہو۔

جزا کا تصور گرچہ اسلامی نظریہ ہے لیکن پاکیزہ زندگی یا حیات طیبہ سے پتہ چلتا ہے کہ خدا اسی دنیا میں حیات طیبہ گذارنے کی ذمہ داری لے رہا ہے۔ عجیب انسانی فطرت ہے کہ اگر ہمارے لئے کوئی صاحب منصب، ممبر آف پارلیمنٹ، وزیر اعظم صدر جمہوریہ کسی انسان کی ضمانت لے لے تو انسان پھولے نہیں سماتا۔ دنیا بھر میں چرچا کرتا پھرتا ہے کہ میری ضمانت کا وعدہ انھوں نے کیا ہے لیکن جو خالق کائنات ہے جسکی قدرت انسان کے شمار سے باہر ہے اسکی کریمانہ صفات تذکرہ کے لائق نہیں سمجھتے اپنے نظریات کو تبدیل کرنے کے لئے تیار نہیں کہ خالق کائنات نے ضمانت لے لی ہے پاکیزہ زندگی گذارنے کی۔ جبکہ عمل صالح کرنا خود اسکے اثرات کو اپنی زندگی میں دیکھنا ہے ایسا بھی نہیں ہے کہ صالح عمل کا نتیجہ بروز قیامت دیکھنا ہے۔ اس آیت سے یہی استفادہ ہوتا ہے کہ اس دنیا میں پاکیزہ زندگی گذارنے کی ضمانت خالق کائنات نے لی ہے۔ دراصل ہم اسباب پر بھی بھروسہ کرتے ہیں اپنی موجودہ حالت کی بنیاد پر جبکہ خالق حقیقی کی طاقت وقدرت بہت وسیع ہے اسکے لئے پاکیزہ زندگی گذارنا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ مشکل یہی ہے کہ ہم خدا پر اعتماد نہیں رکھ پا رہے ہیں۔

خالق حقیقی پہلے عمل صالح کا مطالبہ کرتا ہے پھر اپنی جانب سے جزا بیان فرما رہا ہے۔ کیونکہ آیت میں ''ف'' جزا کے لئے ہے۔ جب بندہ کی جانب سے عمل کی شرط ادا کردی جائیگی لامحالہ خدائے قدیر کی جانب سے بھی حیات طیب کا وعدہ پورا ہو جائے گا۔ پاکیزہ زندگی انسان اپنی حیات میں خود مشاہدہ کرتا ہے بالفرض اگر کوئی کج فطرت اس بات پر یقین نہیں پیدا کرتا ہے تو جو مخلصین مومن افراد زندگی گذار رہے ہیں کم از کم ان کی زندگی سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کرے کہ یہ دنیا محل عبرت ہے۔ جو افراد عقیدۂ توحید کے ساتھ عمل صالح انجام دیتے ہیں ان کی بھی جیتی جاگتی حیات کو ملاحظہ کریں اور جو افراد عقیدۂ توحید کا انکار کرتے ہیں اور مجرمانہ حرکات میں پیش پیش رہتے ہیں ان کی بھی زندگیوں کو دیکھیں کہ واقعاً کون لطف زندگی سے شرابور ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

عزت کی موت بہتر ذلت کی زندگی سے

آج بھی وقت ہے کہ سنبھل جائیں اور بقیہ عمر کو عمل صالح میں بدل دیں تب حقیقی معنی میں کہہ سکنے کے لائق ہوں گے:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔

ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

خدایا ہمیں صالح زندگی گذارنے کی توفیق مرحمت فرما۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆

صحت مند معاشرہ

ظلم کی آبیاری:

یہ عنوان لکھنے اور بولنے میں واقعاً بہت خوبصورت لگتا ہے لیکن صحت مند سماج کی بنیاد ڈالنا اتنا ہی مشکل کام ہے۔ اچھے اچھوں کی حالت بگڑ جاتی ہے۔ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ صحت مند سماج کس طرح تشکیل دیا جائے نیز کیا طریقہ اپنایا جائے کہ معاشرہ صحت مند ہو جائے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ظلم کی جڑوں کو ختم کیا جائے۔ ظلم معاشرہ کے لئے بہت بڑا ناسور ہوتا ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ ہر گلی، کوچہ، گھر، محلہ اور شہر میں پنپ رہا ہے جس کی آبیاری اسی سماج کے کچھ اندھے ابن الوقت، بوالہوس صفت کرتے ہیں جنھیں قوم و ملت اور سماج کے اجتماعی فائدے کی قطعی پرواہ نہیں ہوتی ہے مگر اپنے شخصی فائدہ کو ہی بہت اہمیت دیتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک سچی حقیقت ہے کہ نیک اور شریف کردار کے افراد صحت مند سماج کے بنانے میں ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ بے لوث خلوص اور لگن کے ساتھ صحت مند سماج بنانے میں لگے ہوتے ہیں، انھیں نام و نمود کی بھی خواہش نہیں ہوتی اور نہ ہی کام کے بدلے میں ڈھنڈورا پیٹنے میں بھروسہ رکھتے ہیں۔ سماجی خدمات منصوبہ بند اور بہتر طریقے سے کرنے میں لگے ہوتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان افراد کا سپورٹ نہیں کیا جاتا ہے جو کہ قابل افسوس بات ہے ایسے افراد کا مکمل تعاون کر کے صحت مند معاشرہ بنانے میں رول ادا کرنے کی ضرورت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ویسے صحت مند معاشرہ کے لئے اور بہت سے عوامل ہیں انھیں بھی تلاش کیا جائے تاکہ صحت مند سماج تشکیل پا سکے۔

تعلیم کے اثرات:

ہر چیز اپنا اثر رکھتی ہے پھر تعلیم کیوں نہ اپنا اثر معاشرہ پر چھوڑے۔ یہ کیوں کر پتہ چلے کہ معاشرہ پر تعلیم اثر انداز ہو رہی ہے۔ افراد معاشرہ خود کہتے ہیں کہ تعلیم حاصل کرنے سے تہذیب کا پتہ چلتا ہے، فکر و نظر میں بلندی، اخلاق کی پابندی، برائیوں سے دور رہنا، نیکیوں کا خوگر ہونا۔ مطلب صاف ہے کہ برائیوں سے نفرت کرتے ہوئے اچھائیوں پر عمل پیرا نظر آنا، تعلیم کے اثرات میں شامل ہے لیکن معاشرہ میں ڈھیر سارے تعلیمی افراد نظر آتے ہیں مگر نیک تہذیبی، خلوص، وفا دور دور تک دکھائی نہیں دیتا۔ آخر کیا بات ہے؟ تعلیمی افراد میں یہ منافقت کا وجود کیوں ہے؟ تنہا علم ضرور فائدہ رکھتا ہے۔ لیکن علم کا باعمل ہونا نہایت ضروری ہے جو شخص واحد کے لئے بھی مفید ہے اور اجتماعیت کے لئے بھی سود مند ہے۔ جس شخص کا علم عمل ہو جائے ایسے افراد کو معاشرہ میں عزت کی نگاہ سے بھی دیکھا جاتا ہے لیکن جس کا علم، عمل سے تعلق نہیں رکھتا اسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

میزان الحکمت نامی کتاب میں ایک بندۂ مومن سے حضرت علی علیہ السلام خطاب فرماتے ہیں: ''اے بندۂ مومن! تیری قیمت علم و ادب کی وجہ سے ہے بس ان دونوں کے حصول میں جدوجہد کر۔ علم و ادب جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی تیری قدر و قیمت بڑھے گی۔ اس لئے کہ علم ہی خدا کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ادب کے ذریعہ اطاعت خداوندی میں حسن پیدا ہوتا ہے اور جب اطاعت ادب کے ساتھ ہوگی تو بندہ اس کی ولایت و قربت کا مستحق ہو جائے گا۔ صحت مند معاشرہ میں تعلیم کے اثرات کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

انسانی معاملات:

معاشرہ میں سب سے سنگین مسئلہ امانت کی ادائیگی بھی ہے۔ اس جانب بھی زیادہ توجہ دینے

کی ضرورت ہے۔انسان کے معاملات جب تک صاف ستھرے نہیں ہونگے معاشرہ میں اور دوسرے افراد کے لئے کام کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

معاملات بھی تین طرح کے ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ معاملہ دوسرے یہ کہ انسان کا خدا کے ساتھ معاملہ، تیسرے یہ کہ انسان کا خود اپنے نفس کے ساتھ معاملہ۔ بالترتیب حقوق عباد، حقوق الٰہی اور حقوق بالنفس۔ پہلے حق کے لئے خود انسان سے باز پرس کی جائے گی جب تک کہ صاحبِ معاملہ راضی نہ ہو جائے خدا بھی راضی ہونے والا نہیں ہے۔ جبکہ خدا غفور الرحیم ہے جب تک بندہ نہ خود اپنے حق کو معاف کردے۔ اولین فرصت میں ہماری ذمہ داری بڑھ جاتی ہے کہ صحت مند معاشرہ کی تعمیر میں اپنی شخصی معاملات کی اصلاح کریں۔ تب اصلاح معاشرہ میں آگے قدم بڑھائیں۔ خود کے معاملات صحیح ہونے پر سماج عزت بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ قرآن کریم میں کریم پروردگار ارشاد فرماتا ہے: ’’اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کردو۔ اس طرح قرآنی آیت پر بھی عمل ہوگا۔‘‘ امانت کی ادائیگی صحت مند معاشرہ کے لئے ضروری چیز ہے۔

پیغمبر اکرم حضور پُرنور فرماتے ہیں کہ: ’’میری امت جس وقت تک ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتی رہے گی، ایک دوسرے کے ساتھ نیکی سے پیش آتی رہے گی، امانت کا خیال رکھے گی، حرام کاموں سے بچتی رہے گی، مہمانوں کی خاطر مدارت کرتی رہے گی۔ نماز پڑھے گی اور زکوٰۃ ادا کرتی رہے گی، خیر وفلاح کی زندگی بسر کرے گی لیکن جب ان اقدار کو کنارے لگادے گی اس کی زندگی سخت، نعمتیں کمیاب اور پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔‘‘

خدارا ہمیں ضرورت ہے کہ وہ نیک عمل کیے جائیں۔ خدا کی جانب سے سارے فیوض و

برکات ہمارے لوٹ آئیں اور خوشحال زندگی گذاریں۔ کیا ہم نے اپنی کمیوں کو دور کرنے کے لئے بھی سوچا ہے؟

جہالت سے مقابلہ :

صحت مند معاشرہ کے قیام میں جہالت سے مقابلہ بھی ضروری عامل ہے۔ تعلیم کے ذریعے ہی انسان بلند مقاصد تک پہنچ سکتا ہے۔ آپ دیکھیں کہ خود حکومت میں جو پالیسی میکر ہوتے ہیں وہ بھی تعلیم یافتہ ہی ہوتے ہیں۔ معاشرہ کے معمار بھی تعلیمی زیور سے مزین ہونے چاہیئے۔ جہالت نہ صرف معاشرہ کو برباد کرتی ہے بلکہ خود جاہل بھی اس کے اثرات سے متاثر ہوتا ہے۔ لوگوں میں تعلیم کے حصول کے جذبے کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ اور تعلیم حاصل کرنے میں کیا رکاوٹیں ہیں انھیں دور کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ ظاہر ہے جو طلبہ علم نہیں حاصل کرسکیں گے وہ جاہل رہ جائیں گے۔ اور جو تعلیم حاصل کرلیں وہ معاشرہ کو اپنی گرفت میں لیں تاکہ جاہلیت زدہ معاشرہ تعلیمی معاشرہ میں تبدیل ہو جائے۔ معاشرے میں جہالت کو یکسر ختم کرنے کے لئے تعلیمی پالیسی بنائی جائے۔ یہ ایک اکیلے فرد کا بھی کام نہیں ہے۔ افرادِ معاشرہ متحد ہو کر اسباب کو تلاش کریں نیز تعلیمی پالیسی کو روبہ عمل بنائیں تاکہ جہالت زدہ معاشرہ تعلیمی معاشرہ میں بدل جائے۔ خلوص اور لگن کی ضرورت ہے۔ شہروں میں حصول تعلیم کا مکمل انتظام ہو جاتا ہے۔ لیکن دیہات اور ادیواسی علاقوں میں بھی حکومت کی مدد سے تعلیم عام کریں۔ تاکہ کوئی بھی بچہ علم سے محروم نہ رہ جائے۔ عنقریب ہی ہمارے منصوبے کے نتائج ہمارے سامنے ہوں گے۔

تعصب

علمی کمال وبلندی پر پہنچنے پر انسان حسد، جلن اور تعصب کا بھی شکار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ہنر

وکمال اور فضیلت ایک ایسی چیز ہے کہ ہر انسان اپنے کو کمال سے نسبت دینے میں فخر محسوس کرتا ہے مقابل وہیں تعصب کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی کمزور، ناتواں فرد کو بھی شیر سے تشبیہ دی جائے تو اسے خود بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اور خود کو بہادر بھی سمجھتا ہے لیکن ہنر، فن کمال یوں ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ بڑی محنت، کوشش کے ساتھ مناسب منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہ کوشش انفرادی کی بجائے اجتماعی ہو جائے تو پھر کیا کہنا۔ فائدہ شخصی نہ ہو کر اجتماعی ہو جائیگا۔ اور ہاں اجتماعیت ضرور اپنا اثر رکھتی ہے۔ کچھ لوگ اسے نہ قبول کریں۔ تعصب بیجا کے سبب وہ بات دوسری ہے۔ فن کی اشاعت بھی اجتماعی ہو تو بہتر ہے۔ تحقیقی امور کو سراہا جائے۔ تعصب سے پرے ہو کر لوگوں میں موجود کمال سے ضرور فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔ تعصب کے بھیانک نتائج سے واقف بھی ہیں کہ یہ افراد سماج کے لئے بہت خطرناک مرض ہیں۔ سماج کے ہر فرد کو اس مرض سے دور رہنے کی ضرورت ہے۔ نیز گروہ بندیوں کی زنجیروں کو توڑ کر انسانی حقوق کی طرف نظریں مرکوز کریں اور اپنا دستِ تعاون دراز کریں۔ اور تعصب سے ہٹ کر صحت مند سماج کے بنانے میں منسلک ہو جائیں۔

آپسی اتحاد:

یہ بات شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ ہمارا آپس میں متحد رہنا واقعاً عصری ضرورت ہے۔ اسے ہر کوئی قبول بھی کرتا ہے۔ ہمارے درمیان مسائل اتنے ہیں کہ شمار کرنا مشکل ہے۔ لیکن مجموعی اتحاد نہ ہونے کے سبب اپنی اپنی ڈفلی بجا کر سبھی اپنی اپنی گاڑی آگے بڑھانے میں مصروف ہیں۔

کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

مسلم دشمن عناصر کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ قوم مسلم آپسی تفرقہ بازی میں مبتلا ہیں۔ اس کا سبب سبھی لوگ جانتے ہیں۔ ہم لوگ ایک جگہ جمع نہ ہوں گے الگ الگ رہیں گے۔ اس طرح ہماری

عملی تحریک کبھی زور نہیں پکڑ سکے گی۔ جس کے سبب ترقیوں کی منازل، سیاست پر دبدبہ حاصل ہونا مشکل ہے۔

تجربات شاہد ہیں کہ فرقہ وارانہ فسادات میں دشمن جتنے بھی ہیں وہ سبھی کو مسلم سمجھ کر ہی تباہ و برباد کرتے ہیں ایسے میں وقتی طور پر ہم آپس میں کچھ قریب ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ آپسی اتحاد ہمیشہ قائم رکھنے کی ضرورت ہے تا کہ کوئی طاقت ہماری طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ اور اس اتحاد کو مقابلی کی حد تک محدود نہ کریں بلکہ اسے افادہ اور استفادہ کا ذریعہ بنائیں۔ کیونکہ دشمنی کی نشاندہی کر کے مزید آپسی دشمن بنانا یہ کوئی عقلمندی نہیں ہے۔

انسان دوستی:

آپس میں مسلمانوں کا اتحاد قائم ہو جائے تو رک کر ہمیں قیام نہیں کرنا ہے بلکہ انسانیت کے بارے میں غور و فکر کرنا ضروری ہے۔ انسان دوستی کو وسیع پیمانے پر معاشرہ میں وسعت دینے کی ضرورت سے کون انکار کر سکتا ہے؟ ایک انسان کو دوسرے انسان کے بارے میں کس کس قسم کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ اس کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے؟ ہمارے معاشرے میں انسان دوستی کے اظہار کے بھی بہت سے مواقع ہیں۔ غریب و بے سہارا افراد کو سہارا دینا، روزی روٹی کے مسائل کو حل کرنا، بے گھر کیلئے مکان کا انتظام کرنا اور تعلیم کا مناسب انتظام کرنا۔ اگر ہر انسان اپنی ممکنہ کوشش روبہ عمل لائے اور عملی جامہ پہنانا شروع کر دے تو مستقبل قریب میں بہتر نتائج سامنے آئیں گے۔

بہت ہی مشہور و معروف حدیث بھی ہے کہ: جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرو۔ معاشرہ میں انسان اپنے لئے عزتمآب ہونا، تعلیم یافتہ ہونا، باکمال ہونا پسند کرتا ہے لیکن وہیں کیا دوسروں کی بھی عزت کی ہے؟ واقعاً جو تعلیم حاصل کر چکے ہیں کیا وہ تعلیم یافتہ نہیں ہیں؟

دوسروں کے کمال کا بھی اعتراف کیا ہے۔لوگوں نے انسان دوستی کے ناطے اپنے علاوہ افراد کو بھی باعزت وباکمال سمجھیں۔لوگوں کو ان کا وقار بخشیں۔غرض کہ انسان دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔

سماجی انصاف:

سماجی انصاف بھی کرنے کی ضرورت ہے۔سماجی انصاف کا نام لینے پر لامحالہ یہ بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ظلم وبربریت کا رواج ہو لہٰذا سماجی انصاف کو اہمیت دی جارہی ہے۔اگر کوئی غلط بات دولت مند قوت وطاقت کا مالک کہہ دے تو لوگ اس کی تائید کرنا شروع کردیتے ہیں وہیں اگر کوئی غریب ترین شخص جس کے پاس دولت وطاقت نہیں ہے ایسا شخص حق بات بھی پیش کرے تو اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔آخر کیا بات ہے؟ ہمارے سماجی انصاف کا معیار بہت گر چکا ہے۔فکریں بدلنے کی ضرورت ہے معاشرہ خود امن وشانتی کی طرف چل نکلے گا اور سماجی انصاف ہر جگہ زندہ ہوگا۔

صحت مند معاشرہ کے لئے ہم نے جو مختصر عوامل ہماری نظر میں آئے ان کا تذکرہ کردیا ہے۔ مزید دانشمندان . . سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ نہ صرف اس جانب پہل کریں بلکہ مناسب اقدام کریں تاکہ صحت مند معاشرہ کا وجود مستحکم ہوجائے۔

☆☆☆

اسلام میں علم کی اہمیت

جس وقت انسان نے معاشرہ میں قدم رکھا اسکی اپنی احتیاجات اور ضروریات کو پورا کرنے کے خیال نے پریشان کیا۔ابتدا میں بے ترتیب ہنگامی زندگی گذرتی رہی۔جیسے جیسے انسان نے علمی ترقیوں کے سہارے کمندیں ڈالنا شروع کیں، کائنات کو مسخر کرنے کا راز جان لیا پھر پیچھے مڑ کر دیکھنے کی بھی غلطی نہیں کی۔علم کے ذریعے ہی انسان نے نہ جانے کیسی کیسی ترقیات حاصل کرلی، یہ علم کا ثمرہ ہی کہہ سکتے ہیں۔انسان کو علم سے دوستی رہی اسکے فوائد ضرور ملے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جب جہالت سے دوستی رہی اس کے نقصانات کو بھی دیکھا۔معاشرہ جہالت زدہ رہا، انسان انسان کا دشمن رہا دورِ جہالت میں جیسے ہی انسان نے اخوت کا سبق پڑھا وہی انسان جو دشمن تھا دوست بن گیا۔دورِ جہالت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا ''قابلِ فخر کارنامہ اور شان'' سمجھا جانے لگا۔جیسے ہی علم کی خوشبو سے ذہن معطر ہوا رسم زندہ درگور بند ہوئی، خاندان در خاندان کا معمولی معمولی باتوں پر لڑنا جہالت کی گلکاریاں تھیں لیکن جیسے ہی دامن علم تھاما قتل وغارت گری کا بازار ختم گیا۔عام معاشرہ میں بھی علم کی اہمیت اظہر من الشمس ہے۔

بدھ ازم، ہندو ازم، عیسائی ازم انسان جتنے بھی ازم متصور کرسکتا ہے سب ہی اپنی قوم وملت کو اگر کوئی درس دے رہے ہیں تو وہی تین حرفوں پر مشتمل ''علم''۔حکومتی مشنری میں اکثریت سے یہی افراد نظر آتے ہیں وہ کوئی جادوگری نہیں ہے بلکہ یہ علم کے ہی سہارے ترقیوں کے آسمان کو چھونے میں کامیابی حاصل کررہے ہیں۔علم کی اہمیت اسلام کے علاوہ باقی مذاہب اور مکتب فکر کے یہاں بھی پائی جاتی ہے

لیکن علم و دانش کی اہمیت و فضیلت جتنی اسلام میں پائی جاتی ہے اتنی اور دوسری مکتب فکر کے یہاں نہیں ہے۔شاید ہی کوئی مکتب فکر ہوگا جتنا اچھا انتظام اسلام کا ہے۔اسلام میں ابتدا ہی سے تعلیم کا وجود ہے:

اقرأ باسم ربک الذی خلق (سورۂ علق:۱) پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

غور کریں کہ خلقت کا تعلق ہی تعلیم سے ہے۔وہ خلقت خلقت کہلانے کے لائق نہ ہوگی جو تعلیم حاصل نہ کرے۔جہاں ابتدا ہی تعلیم سے ہو اسکی انتہا کیونکر تعلیم سے نہ ہوگی۔اسلام ہی دنیا کا ایک واحد مذہب ہے جس کے یہاں بچہ کے مولود ہونے پر بھی تعلیم کا انتظام ہے اور جب اس دنیا سے گذر جاتا ہے تب بھی تعلیم کا انتظام ہے اور حیات و موت کی درمیانی مدت میں بھی تحصیل علم واجب ہے۔موت پر معلم تعلیم دیتا ہے اور متعلم تعلیم حاصل کرتا ہے لیکن حیات میں تحصیل علم کے لئے معلم کے پاس زانوئے ادب تہہ کرتا ہے۔ولادت پر داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے ذریعہ بچوں کے شعور میں توحید، رسالت، خیر اور اچھائی کا پیغام پہنچا دیا جاتا ہے اور جب موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے تلقین کے ذریعے توحید، رسالت، امامت، عدالت، قیامت اور حقائق کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔ولادت اور موت کے درمیان حیات کی مدت میں حقائق اسلامیات کو خود جاننے کی تگ و دو کرتا ہے۔اتنا مکمل اور جامع انتظام سوائے اسلام کے کہیں اور نہیں پایا جاتا۔

علم حیات ہے، جہالت موت ہے، علم تمام نیکیوں کی بنیاد ہے اور جہالت تمام برائیوں کی اصل ہے۔حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

ان العلم حیاۃ القلوب و نور الابصار من العمی و قوۃ الابدان من الضعف۔

علم دلوں کی زندگی ہے، آنکھوں کی حقیقی بینائی اور کمزور جسموں کو قوت بخشتا ہے۔

ہم طالب علمی کی زندگی میں یہ محاورہ سنا کرتے تھے ''بنا علم کے آدمی اندھا ہوتا ہے۔''

بہت ہی مشہور و معروف حدیث پیغمبرؐ ہے:

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ

علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔

دور جدید میں کم و بیش واجب اور ضروری کی حقیقت سے آگاہ ہیں، تحصیل علم اتنا اہم فریضہ تھا کہ اسے تمام مسلمانوں پر ضروری قرار دیا گیا ہے۔

کچھ دانشور ''علم'' سے عصری اور جدید علم مراد لیتے ہیں اور یہاں تک کہتے ہیں کہ بنا اس علم کے ترقی کا تصور بھی ممکن نہیں اور وہیں کچھ دانشور علم سے دینی علم مراد لیتے ہیں جو کہ آخرت کے ساتھ دنیا کے سنوارنے کا بھی علم ہے اور وہیں کچھ دانشور جدید اور عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کو اہمیت دیتے ہیں۔جبکہ جدید عصری تعلیم کی ضرورت اپنے مقام پر مسلم ہے اور دین کی تعلیم پوری حیات پر حاوی ہے۔بہر حال مجھے اس بحث میں جانا مقصود نہیں ہے لیکن تحصیل علم ضرور واجب قرار دیا گیا ہے۔مشاہدہ میں جو بات آئی ہے وہ یہی ہے کہ انسان اپنی اپنی ضروریات کے مطابق روزی روٹی کے لئے تعلیم حاصل کرتا ہے ساتھ ہی اسلام کی بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق عمل پیرا رہنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔حدیث کی روشنی میں ایک بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ نافع علم حاصل کیا جائے حالانکہ جتنی بھی شاخیں علم کی پائی جاتی ہیں تمام کے تمام کو حاصل کرنا ایک انسان کے بس میں نہیں ہے اور سبھی علم نافع نہیں ہے اور جو نافع نہیں ہے ان پر رقم، وقت، محنت ضائع کرنے کے برابر ہے۔یہ اور بات ہے کہ کوئی علم کسی فرد کے لئے نفع بخش ہو لیکن کثیر افراد کے لئے نفع بخش نہ ہو ایسے علم کی گفتگو ہماری بحث سے خارج ہے۔جو انسان کی ذات کو سنوارے، جس سے خود کی بھی اصلاح اور اجتماعیت کو بھی فائدہ پہنچتا ہے ایسے علوم موجود ہیں جو انسان کے لئے نفع بخش نہیں ہیں۔نماز عصر کی تعقیب میں جو دعا

پڑھی جاتی ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے:

اللھم انی اعوذبک من نفس لا تشبع و من قلب لا یخشع و من علم لا ینفع ۔

''پروردگار! میں پناہ چاہتا ہوں اس نفس سے جو کبھی سیر نہ ہو، اس دل سے جس میں خشوع نہ ہو، اس علم سے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔''

علم میں اضافہ سوال کرنے ہی سے ہوتا ہے اور قرآن مجید میں پروردگار ارشاد فرماتا ہے:

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (سورۃ انبیاء)

پس تم سوال کرو اہلِ ذکر سے اگر تم نہیں جانتے ہو۔

تحصیل علم کے ضمن میں سوال ایک اچھی علامت ہے۔ ذہنی بالیدگی میسر ہوتی ہے کیونکہ علم کی کنجی سوال کرنا ہی ہے۔ اہلِ ذکر یعنی صاحبِ علم سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر ایک شرط کے ساتھ وہ یہ کہ نہ جاننے کے سبب سوال کرنے کے لئے کہا جارہا ہے نہ کہ جانتے ہوئے کسی سے سوال کریں۔ خدا نے سائل کی بدنیتی کا راستہ ہمیشہ کے لئے بند کردیا کیونکہ معاشرہ میں ضرور ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو شیخی بگھارنے کے لئے ایسے سوالوں کو لوگوں کے سامنے لیئے پھرتے ہیں اور اپنا سکۂ علمی لوگوں کے دلوں پر بٹھانا چاہتے ہیں۔ جبکہ سوال کرنے کا حکم جو دیا جارہا ہے اس سے انسانیت کی لاعلمیت دور ہو اور علم برائے عمل ہونا چاہئے کیونکہ علم میں بھی تین حرف پائے جاتے ہیں اور عمل میں تینوں حرف پائے جاتے ہیں اور دونوں میں وہی تین حرف تقدم وتاخیر کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

تحصیل علم برائے علم نہیں بلکہ برائے عمل ہونا چاہئے۔ نہج البلاغہ میں باب العلم حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: **العلم مقرون بالعمل فمن علم عمل و العلم یھتف بالعمل فان اجابه والا ارتحل عنه ۔ (کلمات قصار ۳۶۶)**

علم عمل سے ملا ہوا ہے لہٰذا جو جان لیتا ہے وہ عمل کرتا ہے۔ یاد رکھو علم عمل کے لئے آواز دیتا ہے پس عمل نے جواب دیا تو ٹھیک ہے ورنہ وہ علم اس کے پاس سے چلا جاتا ہے۔

مثال کے ذریعے بات واضح ہوجائیگی۔ علم یہ ہے کہ غیبت کرنا مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے۔ ظلم، چوری، جھوٹ یہ تمام برے صفات ہیں۔ علم آجانے کے بعد برائی کے سمندر میں غرق نہ رہے یہ عمل ہے اس لئے حضرت نے اشاد فرمایا کہ جو جان لیتا ہے عمل کرتا ہے۔

علم کی قسمیں بھی ہیں اسے بھی حضرت علیؑ کے فرمودات میں ہی ملاحظہ فرمائیں:

العلم علمان مطبوع و مسموعٌ ولا ینفع المسموع اذا لم یکن المطبوع۔

علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہوتا ہے جو طبیعت میں ڈھل جاتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو صرف سن لیا جاتا ہے اور سنا سنایا اس وقت تک کام نہیں آتا جب تک مزاج کا جز نہ بن جائے۔

علم خود ایک شرف ہے اور لازوال دولت ہے، صاحب علم کی علم سے سیری نہیں ہوتی جس طرح مال سے انسان کی سیری نہیں ہوتی ہے بلکہ طلب علم بھی مال کے حصول کے لئے کیا جاتا ہے۔

حضرت علیؑ کے فرمود کے مطابق: **منھومان لا یشبعان طالب علم و طالب دنیا ۔**

دو بھوکے کبھی سیراب نہیں ہوتے ایک طالب علم اور دوسرے طالب دنیا۔

علم کی اہمیت وفضیلت کو ہم کیا بیان کر سکتے ہیں جبکہ اس سلسلے میں معصومینؑ کے بہت سے ارشادات وفرمودات ملتے ہیں اور نہ صرف فی زمانہ دانشمند افراد نے علم کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے بلکہ قدیم دانشمندوں نے بھی اسکی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔ علم ہی سے صاحب علم کی شناخت ہوتی ہے۔

حضرت علیؑ حضرت کمیلؒ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

الناس ثلاثة فعالم ربانی و متعلم علیٰ سبیل النجاة و ھمج رعاع . اتباع کل ناعق

يميلون مع كل ريح لم يستضيوا بنور العلم و لم يلجوا و الىٰ ركن و

لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ عالم ربانی یعنی ایسا عالم جو رب کی طرف نشاندہی کرے۔

۲۔ راہ نجات پر چلنے والا طالب علم۔

۳۔ عوام الناس کا وہ گروہ جو ہر آواز کے پیچھے چل پڑتا ہے اور ہر ہوا کے ساتھ اس نے نہ نور کی روشنی حاصل کی ہے اور نہ کسی مستحکم ستون کا سہارا لیا ہے۔

علم کے سبب سے تین شکل کے افراد ہوتے ہیں۔ علم حاصل کر کے لوگو دعوت دے اور خدا کی معرفت بھی کرائے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ تحصیل علم میں خواہش نہ ہو بلکہ راہ نجات پر چلنے کا طالب ہو اور تیسرا گروہ عوام الناس کا ہے۔ دنیا دامن ہاتھ سے چھوٹتا نہیں۔ جس طرف بھی ہوا کا رخ دیکھا اسی طرف کے ہو لئے۔ جھوٹ، سچ کا فرق نہیں، حق و باطل کا امتیاز نہیں ہوتا کیونکہ ان کے قلوب علم کی نورانیت ہو سکے ہیں اور نہ ہی انھوں نے کوئی مستحکم پناہ گاہ حاصل کی ہے اب یہ انسان کو اختیا لئے کیا پسند کرتا ہے اور کونسے گروہ میں جانے کے لئے تیار ہے۔

جہالت سے شک پیدا ہوتا ہے جبکہ علم سے انسان کے اندر یقین پیدا ہوتا اہمیت پیغمبر اکرم شفیع اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی واضح ہوتی

الحكمة ضالة المؤمن يا خذها اينما وجدها

حکمت مومن کا گمشدہ سرمایہ ہے۔ ہر شخص اپنی گم شدہ چیز کو جہاں پائے گا بلا تاخیرا۔ اگر کسی انسان کی کوئی چیز گم ہو جائے تو کیا انسان یونہی خاموش بیٹھا رہتا ہے؟ نہیں

تلاش کرتا رہتا ہے۔ دن و رات ایک کر دیتا ہے۔ دھوپ، چھاؤں، موسم کی کوئی فکر نہیں رہتی بلکہ ایک ہی دھن لگی ہوتی ہے کہ کسی صورت سے میری کھوئی ہوئی چیز دستیاب ہو جائے۔ مزید یہ کہ کھوئی ہوئی چیز کے لئے کسی کے پاس بھی جاتا ہے۔ چاہے وہ کافر، مشرک، ملحد، مومن ہو بس صرف اور صرف ایک ہی نظریہ ہے کہ میری چیز مجھے مل جائے۔ جب کسی شئے کے بارے میں انسان کا یہ نظریہ ہے تو علم و حکمت کے بارے میں اور تیز رفتار رہنے کی ضرورت ہے جہاں سے خزانہ علم دستیاب ہو جائے اسے حاصل کر لیا جائے کیونکہ یہ مومن کی گمشدہ چیز ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا گیا کہ یہ بتائیں کہ کون زیادہ علم رکھتا ہے؟

حضرت جواب ارشاد فرماتے ہیں۔

ان اعلم الناس اخوفهم لله و اخوفهم لهٔ اعلمهم به و اعلمهم به ازهدهم فيها اى (للدنيا)

لوگوں میں زیادہ علم رکھنے والا وہ ہے جس کے یہاں خوف الٰہی زیادہ ہو اور جس کے پاس خوف الٰہی زیادہ ہوتا ہے اس کے پاس علم کے ساتھ زہد ہوتا ہے۔ اب ذرا معاشرہ پر نظر رکھیں کہ ہم کسے زیادہ علم والا مانتے ہیں اور معصومؑ کے فرمود کے مطابق کون زیادہ علم والا ہے۔ زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہمیں اس ذیل میں فکر کے بدلنے کی ضرورت ہے۔

علم کی اہمیت کو ہم نے نہیں جانا لیکن پیغمبر رحمت عالم نے اسکی اہمیت کو سمجھا تھا اسی لئے دعا فرماتے تھے کہ ۔ رب زدنی علماً پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔

وہ عالم جو ساری انسانیت کی ہدایت کیلئے تشریف لائے تھے وہ دعا کرتے تھے۔ یہ علم کا شرف تھا کہ حضور پرنور دعا کیا کرتے تھے۔ چند ہی افراد ہونگے جو رسول کی اس سنت کو ادا کر رہے ہونگے۔

خدا سے دعا ہے پروردگار ہمارے علم میں اضافہ فرما اور ہمیں فہم و فراست عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔ ☆

معاشرے میں دینی بیداری

فاستقم کما اُمرت و من تاب معک و لا تطغوا انہ بما تعملون بصیر (سورہ ہود ۱۱۲)

لہٰذا آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے اسی طرح استقامت سے کام لیں اور وہ بھی جنھوں نے آپ کے ساتھ توبہ کرلی ہے اور کوئی کسی طرح کی زیادتی نہ کرے کہ خدا سب کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

''استقامت'' کے ضمن میں علامہ ذیشان حیدر جوادی صاحب طاب ثراہ انوار القرآن صفحہ ۵۰۱ پر اس طرح رقم طراز ہیں:

> ''سرکار دو عالم کا ارشاد گرامی ہے کہ سورہ ہود نے مجھے بوڑھا بنا دیا ہے اس میں استقامت کا حکم اس قدر شدت سے دیا گیا ہے جس پر عمل جوان انسان کو بھی بوڑھا بنا دیتا ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ استقامت یعنی ہر معاملہ میں بالکل سیدھے راستے پر رہنا ہر انسان کے بس کا کام نہیں ہے اور جو انسان جس مرتبہ کا حامل ہوتا ہے اس کے استقامت کا معیار بھی اسی قدر بلند تر ہوتا ہے۔ اسلام تمام تر دین استقامت ہے اور اس کو سارے قوانین اور احکام کا خلاصہ انسان کے کردار میں استقامت پیدا کرنا ہے اور بس۔''

استقامت کے بارے میں تحریر کرنے سے پہلے پروردگار جس ''اُمِرتَ'' کی بات کہہ رہا ہے وہ پہلے سمجھنے کی ضرورت ہے اور جب یہ مسئلہ حل ہو جائے تو اس پر پائیداری کے ساتھ عمل کرنے کی منزل ہوگی۔ ''امرت'' جو حکم دیا گیا ہے ہمیں امر الٰہی معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ عمومی طور

پر حکم دو قسم پر مشتمل ہے۔ ایک معروف امر ہے جسے کرنے کے لئے کہا گیا ہے اور دوسرا منکر امر ہے جسے نہ کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ دراصل معاشرہ کا قیام بھی معروف و منکر ہی میں پوشیدہ ہے بلکہ مولا علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

قوام الشریعة الامر بالمعروف و نهی عن المنکر و اقامة الحدود ؕ

شریعت کا قیام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اقامۃ حدود میں مضمر ہے۔

معروف کا بجالانا، منکرات سے پرہیز کرنے کا عمل خدا ہر عام بندے سے چاہتا ہے اس میں کسی مذہب و ملت کی تخصیص نہیں ہے بلکہ جو افراد نیکیوں کے بجالانے کا حکم اور برائیوں سے دور رہنے کو منع کرتے ہیں ساتھ میں ایمان کی دولت بھی ہے ایسے افراد کو قرآن کریم نے ''خیر امت'' سے یاد فرمایا ہے:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر و تؤمنون باللهِ ؕ (سورۃ آل عمران ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے۔ تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اس امت کی خوش نصیبی ہی کہئے کہ پروردگار نے ایسے حامل صفت افراد کو خوبصورت لقب سے یاد فرمایا ہے۔ وہ لقب ''بہترین امت'' یا ''خیر امت'' ہے لیکن بہترین امت کی تین علامتوں کا تذکرہ بھی فرمایا ہے نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے منع کرے، یہ دونوں خوبیاں عام انسانوں میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن تیسری صفت خالص صاحبان ایمان سے ہے وہ اللہ پر ایمان ہے۔ اور مذکورہ بالا صفات سے امت دور ہو جائے تو یہ امت ''خیر امت'' کہلائے جانے کے قابل نہیں ہے اور جو اس قانون پر جس قدر شدت سے عمل پیرا رہیگا وہ اسی قدر خیر

اور بہتری کا حامل ہوگا اسی لئے بعض روایات میں ائمہ معصومین علیہم السلام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان کی تمام تر زندگی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بسر ہوئی ہے ایسا بھی وقت آیا کہ قاتلوں کو بھی نیکیوں کا حکم دیا ہے اور قریب ترین دوستوں کو بھی برائیوں سے روکا ہے جیسے حضرت علیؑ نے خود اپنے قاتل عبدالرحمٰن ابن ملجم سے کہا کہ میں تیرا برا امام تھا؟ اس نے جواب دیا نہیں اور خود حضرت نے گورنر عثمان ابن حنیف کو کسی موقع پر عتاب آمیز خط لکھا۔ خداوندا ایسے رحمدل، مہربان، سید و سردار امیر المومنین حضرت علیؑ پر بے شمار سلام و رحمت نازل فرما۔

"امرت" کو ہم کہیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ ہی سمیٹ سکتے ہیں۔ انسان کی ذمہ داری ہے کہ اطاعت الٰہی کے بجالانے میں پروردگار کے تمام احکام کو معلوم کرے۔ ہم مزید تفصیل میں جانے سے گریز کرتے ہوئے صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ہی عمل پیرا رہیں اور استقامت کے ساتھ رہیں لیکن یہ استقامت یہیں پر ختم نہیں ہوتی ہے۔ آیت میں "تاب" کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی جو افراد شرک سے ایمان کی جانب لوٹے ہیں اور انھوں نے دعوت کو قبول فرمالیا ہے ان افراد سے بھی استقامت کا مطالبہ ہے۔ گویا تبلیغ و ارشاد کی راہ میں استقامت، خدائی ذمہ داریوں کی انجام دہی اور تعلیمات قرآن پر عمل کرنے میں استقامت اختیار کرنا ہے یعنی پائیداری کے ساتھ احکام الٰہیہ پر کاربند رہنا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

تعاونوا علی البرّ و التقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان۔

مدد کرو تم ایک دوسرے کی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں اور مت مدد کرو گناہ اور دشمنی کے کاموں میں۔ افراد معاشرہ کے لئے یہ کام آسان ہے کہ جو افراد نیک کام بجالا رہے ہیں، تعمیرات وجود میں آرہی

ہیں، ان کے ساتھ دستِ تعاون دراز کر کے ان کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں حالانکہ ایسے افراد کی قلت ہے لیکن بڑا مشکل امر یہ ہے کہ اپنے رشتہ دار و قرابت دار سے خدا کی خوشی کے لئے گناہ ترک کریں۔ دشمنی کے کاموں میں اپنے دست تعاون کو روک کر خدا کے احکام کی پابندی کریں جہاں مدد کرنا خدا کی نظر میں اچھا ہے اچھے کاموں کے لئے وہیں مدد نہ کرنا بھی خدا کے حکم کے مطابق قابلِ تعریف ہے برے کاموں میں۔ یہ بات بھی "امرت" کی منزل میں ہے ایسی صفات پر سختی سے عامل ہونے ہی کو استقامت کہتے ہیں۔

استقامت خود ایک شرف ہے فضیلت ہے، حق پر قائم رہتے ہوئے احکام الٰہی پر سختی سے عامل رہنے کو استقامت کہتے ہیں۔ مولا علیؑ ارشاد فرماتے ہیں: **من رغب فی السلامة الزم نفسه استقامة**" جسے سلامتی درکار ہوتی ہے وہ اپنے لئے استقامت کو لازم قرار دے لیتا ہے۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

علیک بمنهج الاستقامة فانّه یکسبک الکرامة و یکفیک الملامة"

تمہارے لئے راہ استقامت ضروری ہے کیونکہ یہ تمہارے لئے کرامت مہیا کرتی ہے اور تمہیں ملامت سے بچائے رکھتی ہے۔

جہاں معاشرہ کے لئے استقامت ضروری ہے وہیں اس بات کا لحاظ رہے کہ سرکشی کا کوئی پہلو نہ ہو۔ کسی حکم میں نہ کمی جائز ہے اور نہ ہی زیادتی۔ بس خدا نے جو کہہ دیا ہے اسے جوں کا توں ماننا ہی کمالِ اطاعت ہے۔ اس میں سرکشی قطعاً جائز نہیں ہے اور آیت کے آخری حصے میں خدا اپنی تعریف بیان کر رہا ہے کہ جو تم کرتے ہو خدا اس سے آگاہ اور باخبر ہے۔ ہمارا کوئی بھی عمل، ہماری ہر حرکت کا نگراں خدا ہے۔ برائی بند کمرے میں رہ کر کی جائے یا منظرِ عام پر کی جائے۔ نیکی منظر عام پر کی جائے

پابند کمرے میں رہ کر نیکی بجالائی جائے، ہر عمل سے پروردگار باخبر رہتا ہے۔

ہمیشہ نیکیاں کرتے رہنا اور بُرائیوں سے دور رہنا نسبتاً آسان کام نہیں ہے لیکن ان امور پر ہمیشہ کاربند رہنا نگہداشت کرتے رہنا اسے ہی استقامت کہتے ہیں۔ وہ بھی ایسے معاشرے میں جہاں کارِ خیر کے کرنے ہی میں اعتراض کی بوچھار ہوتی ہے جبکہ بُرے افراد پر کوئی انگلی اٹھانے کو تیار نہیں ہوتا۔ حالات کی ستم ظریفی ہی کہی جائے گی ہماری اس فکر کو بدلنا چاہئے۔ افراد معاشرہ متحد ہو کر بُرائیوں کا سدِ باب کریں اور معاشرہ میں دینی بیداری کا فریضہ بھی انجام دیں۔ ہمارا یہ کام خالصۃً لوجہ اللہ کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ سیاسی، سماجی دوکان چمکانے کی غرض سے افراط وتفریط سے کام لیں۔

اس عمل میں نمونہ کہیں دور جا کر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، عملی سیرتیں موجود ہیں حضرت امام حسینؑ نے کتنی مخالف ہواؤں میں روزِ عاشورہ ''ھل من ناصر '' کی صدا بلند فرمائی تھی وہ کیسی پُر استقامت سیرت ہے اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے۔ امرِ الٰہی پر عمل کرنے کے لئے معاشرہ میں دینی بیداری کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہئے۔

اے اللہ ہمیں استقامتِ دین مرحمت فرما۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆

انسانی عالم گیر معاشرہ

ساری انسانیت کے سامنے حقائق اسلام پیش کرنے کی سخت ضرورت ہے، اسلام ہی واحد حیثیت رکھتا ہے جسکے قانون عالمگیری حیثیت رکھتے ہیں۔ رنگ ونسل کا امتیاز ختم کرنا، قبائل کا تصور تعارف کے طور پر پیش کرنا، جھوٹ ایک ایسی معروف حیثیت رکھتا ہے کہ کم وبیش سبھی اسے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے، اسے نہ چھوٹا پسند کرتا ہے اور نہ ہی بڑا پسند کرتا ہے، نہ امیر جھوٹ پسند کرتا ہے نہ غریب، نہ سفید فام افراد اسے اچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نہ ہی سیاہ فام افراد۔ اور سچ بھی ایک ایسی ہی صفت ہے کہ اسے ہر کوئی پسند کرتا ہے اور عامل بھی نظر آتے ہیں سچ کہو جھوٹ سے پرہیز کرو اسلام کے اصول ہیں۔

امداد باہمی:

اسی طرح ''امداد باہمی'' وہ بات ہے جہاں قوم وقبیلہ کی یہ ضرورت ہے اسی طرح یہ بین الاقوامی ضرورت بھی ہے۔ مصیبت کے وقتوں میں ایک ملک دوسرے ملک کو امداد کی پیشکش کرتے ہیں۔ اس طرح انسانی معاشرہ کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے۔ امداد باہمی کا تصور قوم وقبیلہ ہی کے درمیان ہے ایسا نہیں ہے۔ ذات پات کے تصور سے دور جو لوگ بھی نیکی کے خواہاں رہتے ہیں وہ ہر نیکی پر لبیک کہتے ہیں اور جو برائی کو ختم کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں وہ کہیں کی بھی برائی کو جڑ سے ختم کرنے کے کوشاں ہوتے ہیں ایسے افراد مقصد پر نظر رکھتے ہیں اسی تناظر میں قرآن مجید کے اس حکم پر نظر ڈالیں ''کہ تم مدد کرو نیکی کے کاموں میں اور نہ مدد کرو برائیوں کے کاموں میں۔'' دنیا کے کسی گوشے

میں مشرق و مغرب کے فرق کے باوجود افراد ہر برائی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور امداد باہمی سے برائی کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس طرح انسانی عالمگیر معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

خدا نے رسالت و نبوت کو بھی محدودیت نہیں بخشی بلکہ پیغمبر اکرمؐ کو بھی سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا غرضکہ تمام عالم کی بکھری ہوئی انسانیت اسلام اور رسول کے فرمان کے زیر سایہ ہی عالمگیر معاشرہ تعمیر کر سکتی ہے۔

بُرائی سے نفرت:

برائی بھی کم و بیش عالمی پیمانہ پر پائی جاتی ہے اور برائی کرنے والے افراد بھی سبھی مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ بُرائی کو بُرائی ہی رہنے دیں یا بُرائی کو ختم کرنے کے لئے اقدام کیا جائے۔ احسن طریقوں سے بھی بُرائیاں ختم کی جاسکتی ہیں۔ طاقت اور دباؤ سے بھی بُرائی ختم کی جاسکتی ہے اور بُرائی کو ختم کرنے میں حکومتی مشنری بھی پیچھے نہیں رہتی ہے۔ گٹکا پر پابندی یہ حکومت کی جانب سے ہی کیا گیا اقدام ہے اور دوسرا بہتر طریقہ یہ بھی ہے کہ جو افراد دلی اعتبار سے بُرائی سے نفرت رکھتے ہیں ایسے افراد ان افراد سے عدم تعاون کا راستہ اختیار کریں نہ کہ شانہ بہ شانہ ان بُروں کے ساتھ ہم بھی ویسے ہی ہو جائیں جیسے وہ افراد ہیں کیونکہ بُرائی کو ختم کرنے کے لئے جہاں آواز بلند کرنے کی ضرورت ہے وہیں دوسروں کو بھی اقدام بُرائی سے منع کریں۔ تا کہ پاکیزہ ماحول بنانے میں کوئی کسر نہ رہ جائے اگر بُرے افراد سے اپنا دستِ تعاون ہٹا لیں تو یقیناً یہ بُرائی دن بہ دن کم ہوتی نظر آئے گی۔ شرط یہ ہے کہ ایک ساتھ دو عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک بُرائی سے نفرت دوسرے پاکیزہ ماحول بنانا۔

دانشورانِ قوم اور میڈیا:

میڈیا کے ذریعے سے کوئی بھی خبر آن واحد میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ جاتی

ہے اور بچے بہت ہی جلد ٹی وی کے ذریعے دکھائے گئے مناظر کو عملی شکل دینا شروع کر دیتے ہیں اور ہمارے یہاں دانشوران کی بھی کمی نہیں ہے۔ طبقۂ دانشوران مثبت انداز سے علمی اور فکری ماحول میں منصوبہ بند ڈھنگ سے ذرائع ابلاغ کا استعمال کرتے ہوئے عالمی معاشرہ بنانے میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مشکل مرحلہ یہ ہے کہ یہ ذرائع ابلاغ حکومتی مشنری کے ہاتھوں میں ہوتا ہے ان سے ایسے ہی افراد منسلک ہوتے ہیں جن میں قابلیت بھی نہیں ہوتی لیکن خوشامدانہ حرکتوں سے حکومتی مشنری کو اپنے موافق بنائے ہوئے رہتے ہیں۔ اور حکومتی مشنری کو بھی ایسے ہی افراد کی سخت ضرورت ہوتی ہے جو ان کے مطابق اور ان کی کہی باتوں کو دُہرائیں۔ اس طرح دونوں کا کام چلتا رہتا ہے لیکن یہ ابن الوقت غور نہیں کرتے کہ خدا نے جو بہترین موقع میسّر کیا ہے اسکا بہتر استعمال کرتے ہوئے قوم و ملت کا صحیح رُخ متعین کرنے کیلئے مفید دانشمندوں کے ذریعے سماجی و اصلاحی باتیں پیش کی جائیں۔

امید سے سوا:

ہماری عادت بنتی جا رہی ہے کہ قبل اس کے کہ کوئی عمل شروع کریں نتیجہ کی فکر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بنا کچھ کیئے کیسے کچھ بھی ہاتھ لگ جائے گا؟ جس دنیا میں ہم زندگی گذار رہے ہیں یہ دار العمل ہے۔ جو یہاں جتنا کریگا اتنا ہی پائے گا چاہے جاپان کا کرنے والا ہو یا ایران کا کرنے والا ہو یا ہمارے ملک ہندوستان کا کرنے والا ہو۔ ''من جد وجد'' جو کوشش کریگا پائے گا۔ اور جتنی کوشش کریگا اتنا پائیگا۔ آخر ہم دیگر اقوام سے کیوں پیچھے ہیں؟ لیکن لفاظی گفتگو میں کسی سے کم نہیں دونوں پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یقیناً ہمارا عملی پہلو کمزور ہے لیکن امیدیں حد سے بہت زیادہ ہیں۔ صرف امیدوں سے کچھ نہیں ہونے والا جب تک عملی پہلو طاقتور نہ بن جائے۔ تعلیمی، معاشرتی، ثقافتی، تجارتی، سیاسی، مذہبی میدان میں باعمل رہیں۔ یقیناً خود بہ خود خوشگوار نتائج بھی ہمارے سامنے

ہوں گے۔

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

آپسی تعاون:

ایک اکیلا اس دنیا میں رہ کر کچھ نہیں کر سکتا سوائے خدا کے وہ اکیلا رہنے کے بعد ساری چیزیں اسی کے دم خم سے ہیں۔ لیکن اسی پروردگار نے وسیع وعریض دنیا میں مختلف قوموں کے افراد کو بھی پیدا فرمایا ہے جو مختلف رنگ ونسل اور مختلف بولیاں بولنے والے ہیں۔ لیکن آخر کیا مقصد ہے؟ یہ تمام سب آپس میں مل جل کر نہ رہیں؟ یا آپس میں تفاخر کریں؟ ہر وقت پدرم سلطان بود کا تذکرہ ہی ہوتا رہے؟ یا ترقیات کی منزل کی طرف بھی خیال رہے۔ نہیں۔ مقصد الٰہی کچھ اور ہے۔ ہم نے قبائل اسی لئے قرار دیئے ہیں تا کہ آپس میں ایک دوسرے کا تعارف رہے۔ شناخت رہے۔ افرادِ قوم آپسی تعاون کے ذریعہ مل جل کر ترقی کرتے رہیں اور دوسرے افراد کو بھی ترقی کے مواقع فراہم کریں۔ مشہور ومعروف جملہ ہے کہ انسان سماجی جانور ہے۔ تنہا انسان کچھ نہیں کر سکتا ہے جب تک کہ اجتماعیت کے ساتھ نہ ہو اس طرح عالمگیر انسانی معاشرہ وجود میں آسکے گا۔

سائنسی ایجادات:

ملکِ خدا تنگ نیست — پائے گدا لنگ نیست

یہ فارسی کی مثل ہے۔ سائنسی ایجادات کو دیکھنے کے بعد خدا پر یقین میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ سائنسی ایجادات میں کمپیوٹر ایک خاص مقام رکھتا ہے اور اس نے ساری جغرافیائی حدوں کو بھی پار کر چکا ہے۔ مشرق کا شخص مغرب کی ساری باتوں کو فوراً معلوم کر لیتا ہے اور دونوں دکھ درد میں شریک بھی ہو جاتے

ہیں۔ جو سبق ہمیں لینے کی ضرورت ہے ترقیات کی دنیا محدود نہیں رہ گئی ہے۔ جغرافیائی حدیں جیسے بالکل ختم ہو گئی ہیں۔ سائنسی ایجادات بھی تمام انسانیت کو جوڑنے میں ایک اہم رول ادا کر رہی ہیں۔ اس لئے عالمگیر معاشرہ برقرار رکھنے میں سائنسی ایجادات بھی ایک اہم سبب ہے۔ اسے منصوبہ بند طریقے سے استعمال میں لانے کی ضرورت ہے تا کہ فائدہ مند ثابت ہو سکے۔

عالمی امن:

دنیا میں ہر طرف ایک ہی آواز سنائی دیتی ہے امن وشانتی کی۔ ہر کوئی یہ چاہتا ہے کہ لڑائی جھگڑے کا کوئی وجود نہ رہے اور سب لوگ سکون اور اطمینان کے ماحول میں زندگی گذاریں لیکن یہ زمینی حقائق ہیں اور تجربات بھی بتاتے ہیں کہ آپس میں کسی نہ کسی قسم کا تنازعہ اور جھگڑا ضرور ہے۔ کہیں برتری کا ہے تو کہیں نسلی۔ کہیں خاندان میں آپس میں بھائیوں کے درمیان تنازعہ چل رہا ہے۔ لیکن اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے عالمی امن برقرار رہ سکتا ہے۔ (سورہ بقرہ کی ۲۰۸ ویں آیت کے مطابق) اے ایمان والو! اسلام میں پورے طور سے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔ بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

تمام عالمِ انسانیت کو امن وسکون چاہئے تو مکمل طور سے اسلامی قوانین پر عمل پیرا ہیں۔ ہر جگہ سکون ہی سکون ہوگا، اطمینان ہی اطمینان اور عالمی امن نظر آئے گا۔ اس طرح انسانی عالمگیر معاشرہ کا وجود آسانی سے عمل پذیر ہوگا۔

پروردگار ہر جگہ امن وسکون عطا فرما اور اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونے میں مدد فرما۔ آمین

☆☆☆

انصاف اور معاملات

یاایھاالذین امنو اکونو قوامین للہ شھدا بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون ہ (مائدہ۸)

"ایمان والو! خدا کے لئے قیام کرنے والو اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والو بنو اور خبردار کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ انصاف کو ترک کردو۔ انصاف کرو کہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔"

(ترجمہ انوار القرآن علامہ جوادی ص ۲۴۹)

قرآن ہی دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جسکے ذریعہ ہدایت پاتے ہیں اور جو اس دنیا سے دار بقا کی طرف چلے گئے ہیں انہیں بھی ایصال ثواب پہنچایا جاتا ہے۔ دونوں جہاں کے لئے فائدہ مند کتاب ہونے کا شرف صرف قرآن حکیم کو حاصل ہے۔ قرآن کی فضیلت میں حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۱۷۶ میں اس طرح فرماتے ہیں۔

واعلموا ان ھذا القرآن ھو الناصح الذی لایغش والھادی الذی لایضل والمحدث الذی لایکذب۔ ترجمہ: "یہ قرآن وہ ناصح ہے جو دھوکہ نہیں دیتا اور وہ ہادی ہے جو گمراہ نہیں کرتا ہے۔ وہ بیان کرنے والا ہے جو غلط بیانی سے کام نہیں لیتا ہے۔"

معاشرتی زندگی کو پاکیزہ تر بنانے میں تین صفات کی زیادہ ضرورت ہے اول ناصح، دوم ہادی، سوم محدث اور یہ تینوں صفات قرآن مجید میں پائی جاتی ہیں اسی لئے قرآن مجید کی آیتوں سے

استفادہ کرنے کے لئے قرآنی فکر اور پاکیزہ ذہن کی ضرورت ہے تاکہ صحیح مفہوم کے ذریعہ کردار انسانیت سنور جائے لیکن مشکل یہی ہے کہ ہر شخص قرآن کو اپنے ہی ذہن و فکر اور محدود علم جو کہ بڑی محنت ومشقت سے حاصل کیا ہے ان بنیادوں پر ہی آیتوں کو سمجھتا ہے اور جان لیتا ہے کہ میں نے جو مفہوم لیا ہے وہی حرف آخر ہے جبکہ قرآن کا کلام ہے لہٰذا اسے سمجھنے کے لئے الٰہی فکر ہی درکار ہے۔

اللہ کے لئے قیام:

خالق کائنات کا مطالبہ صاحبان ایمان سے ہے کہ صرف اللہ کے لئے ہی قیام کیا جائے۔ ظاہری بات ہے کہ یہاں منصوبۂ الٰہی پر عمل کی ساری ذمہ داری کا مطالبہ عام انسانوں سے نہیں ہے بلکہ جن کے دلوں میں اللہ، رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کا جذبہ کارفرما ہے یعنی صاحبان ایمان سے کہا جارہا ہے کہ انسان کو ہر لحظہ خدا کے لئے زندگی گذارنا ہے کسی بے سہارا انسانی مخلوق جسے عیال خدا کہا گیا ہے تو خدا کی خوشی کے لئے اسے سہارا دے، بھوکے کو دیکھے تو اس کے کھانے کا انتظام کرے تعلیمی اعتبار سے جو کمزور ہوں اسے سہارا دیکر علم کے میدان میں بلندی تک پہنچانے کی سعی کرے گویا حقوق الٰہی کے ادا کرنے کا پابند ہونے کے ساتھ ہی حقوق عباد کا بھی پابند ہو۔

شھدا بالقسط:

شھدا بالقسط سے جو استفادہ ہوتا ہے اسے حقوق عباد کے نام سے بھی جانا جاسکتا ہے۔ عوام کے ساتھ معاملات بھی ویسے ہی بہتر ہونے کی ضرورت ہے جیسا قیام الٰہی ہے کیونکہ جس بلندی و عظمت سے رب العزت اپنے قیام کی بات کہہ رہا ہے وہیں فوراً لوگوں کے ساتھ بہتر معاملات کی بھی گفتگو کی جارہی ہے یعنی انسانی معاملات میں جہاں گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے وہاں گواہی دیں لیکن وہاں معاملہ کی حقیقت اور موضوع کا وجود ہو اور ہاں گواہی کسی معدوم شئے کو ثابت نہیں کرتی بلکہ

گواہی سے کسی موجود سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور حقیقت سامنے آجاتی ہے اور کسی موضوع کا اثبات صرف اس لئے ہوتا ہے کہ حکم کو بار (حمل) کیا جائے نہ کہ کسی شئے کا وجود ہی نہیں اور گواہوں کے ذریعہ اس کا وجود بتایا جائے۔ شخص یا اجتماعی فائدے کے لئے اور صاحب معاملہ کو جھوٹا ثابت کیا جائے۔ سچ سچ ہوتا ہے چاہے وہ کتنی دبیز چادروں میں پوشیدہ ہو۔ سچ سچ واضح ہوجاتا ہے۔ پروپگنڈہ اور میڈیا کے ذریعہ کسی غلط بات کو سچ ثابت کرنا معمولی بات ہوگئی ہے لیکن حقانیت کا بول بالا ہوکر ہی رہتا ہے۔ حکومتی مشنری کو سچائی کا دامن تھامنا ضروری ہے۔

گروہی دشمنی:

گروہی دشمنی ترک عدالت کا مجرم نہ بنادے، اپنے قوم وقبیلہ سے دوستی اور اپنے غیر سے دشمنی، اپنے شخصی معاملات کی اہمیت کہیں دوسروں کے معاملات کی عدم توجہی، اپنے والوں کا فیور کرنا وغیرہ کے سبب ہی ظلم پنپتا ہے جبکہ عدالت برتنے پر ہی حکومتوں کا قیام وقوام ہے۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ: **الملک ینبغی مع الکفر ولا یبقیٰ مع الظلم۔**

''حکومتیں کفر سے تو ممکن ہے باقی رہ جائیں لیکن ظلم سے دوام حاصل نہیں ہوسکتا۔''

اسکے علاوہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

ایاک والظلم فان الظلم عنداللہ ھو الظلمات یوم القیامۃ۔

ظلم سے بچو کیونکہ ہر عمل روز قیامت اپنی مناسب شکل میں مجسم ہوگا اور ظلم، ظلمت وتاریکی کی صورت میں مجسم ہوگا اور تاریکی کا پردہ ظالموں کو گھیرے ہوئے ہوگا۔

معاشرتی زندگی میں عدالت کے وجود کو ہر کس وناکس تسلیم کرتا ہے یہی سبب ہے کہ کئی قسم کی دنیاوی عدالتیں وجود میں آئی ہیں بھلے اس دنیا کی عدالت میں واقعی انصاف نہ ملے وہ خود ایک مکمل

بحث کا موضوع ہے پھر بھی انصاف پانے کی غرض سے الہٰی عدالتوں میں دق الباب کیا جاتا ہے لیکن یہاں الہٰی مقصد کے تحت جو عدالت کی بات کی جارہی ہے وہ یہی ہے کہ انسان ہمہ وقت ظلم سے دور رہے اسی لئے ہر معاملہ میں عدل کے برتنے کا حکم دیا جارہا ہے جوکہ خدا کی نظر میں قریب تقویٰ ہے اور پرہیزگاری سے بندہ کو عزت وکرامت ملتی ہے خود قرآن کریم ہدایت کرتا ہوا نظر آتا ہے:

ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم۔

خدا کے نزدیک وہ بزرگ ترین ہے جو خدا کی پرہیزگاری اختیار کرے۔

انصاف کا عملی پاس ولحاظ رکھنا ہی تقویٰ کے قریب پہنچنا ہے کیونکہ خدا کے نزدیک تقویٰ سے زیادہ اہم عدالت ہے اور جس نے عدالت برتی وہ تقویٰ کو پہنچ گیا۔

نتیجہ:

معاشرہ کا ہر فرد اگر قرآن کی درج بالا آیت پر عمل کرنا شروع کردے تو اس دنیا سے ظلم و بربریت کا جنازہ اٹھ جائے گا اور انصاف وعدالت کا قیام ہوجائیگا پھر ہر انسان پُر امن وسکون ماحول میں زندگی گذار سکے گا۔ ایسے وقت میں کوئی خاتون سونے چاندی کے زیورات سے لد کر بھی نکلے تو اسے کوئی نقصان پہنچانے والا نہ ہوگا اور بلا خوف وخطر مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کی جانب سفر کرتی ہوئی منزل مقصود کو پہونچ جائیگی۔

اے اللہ ہمیں عدل وانصاف سے پُر ماحول میسر فرما۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆